کتاب و سنت اور اسلافِ اُمت کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ

اشرف الجرائد

حیدرآباد

Volume:10 Issue:1 January 2017

مُدیر

مولانا محمد عبدالقوی

ادارہ اشرف العلوم ٹرسٹ حیدرآباد

www.idara.info

اشرف الجرائد میں شامل تمام مضامین کی تمام جزئیات سے مدیر کا اتفاق ضروری نہیں

آئینۂ مضامین

درسِ قرآن	محب اپنے محبوب کا فرماں بردار ہوتا ہے	مولانا محمد عبدالقادر فرید قاسمی	۵
درسِ حدیث	یتیموں کا مال کھانا حرام ہے	مولانا سید نذیر احمد یونس قاسمی	۷
پیشِ گفتار	آوازِ دل در آغوشِ حرم!	مدیر	۹
گوشۂ خواتین	محبت بھری زندگی کیلئے باہمی صلح وصفائی ضروری ہے	مولانا مفتی محمد احمد علی قاسمی	۱۴
	اسلام کی باکمال خواتین	مولانا مفتی رفیع حنیف قاسمی	۱۶
دعوتِ فکر وعمل	اپنا ایمان کامل بنانے کی فکر کیجئے۔	مدیر	۲۰
اصلاحِ معاشرہ	اولاد کی تربیت اور ان کے نکاح کا مسنون طریقہ	مولانا سراج احمد قاسمی	۲۷
،،	سحر اور اس کے شرعی احکام	مفتی شیخ آصف علی سعید قاسمی	۳۳
تعاقبِ فرق باطلہ	وعدہ ووعید	مولانا محمد کبیر الدین قاسمی	۳۷
فکرِ عقبیٰ	ہر نفس موت کا مزہ چکھے گا	مولانا نسیم اختر شاہ قیصر مدظلہ	۴۲
نقوشِ رفتگاں	حضرت شیخ عبدالحق اعظمی رحمہ اللہ	مرتب	۴۵
لمحۂ فکریہ	یہ وہ حادثہ ہے؛ جس کو نہ بھلا سکے زمانہ	مولانا عبدالرشید طلحہ نعمانی قاسمی	۴۷
خبرنامہ	عالم اسلام کی خبریں	مولانا ابوالولید قاسمی	۵۰

اشرف الجرائد کی توسیع واشاعت میں حصہ لے کر اشاعتِ دین کا ثواب حاصل فرمائیں۔ ادارہ

درسِ قرآن

وہ ذات ہر چیز سے باخبر ہے

مولانا محمد عبدالقادر فرید قاسمی*

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ؕ یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَمَا یَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا یَعْرُجُ فِیْهَا ؕ وَهُوَ مَعَكُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۝۴ (سورۃ الحدید)

ترجمہ: اللہ وہ ہے جس نے آسمان وزمین کو چھ روز میں پیدا کیا، پھر عرش پر قائم ہوا، وہ سب کچھ جانتا ہے جو چیز زمین کے اندر داخل ہوتی ہے اور جو چیز اس میں سے نکلتی ہے اور جو چیز آسمان سے اُترتی ہے اور جو چیز اس میں چڑھتی ہے، اور وہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے خواہ تم لوگ کہیں بھی ہو اور تمہارے سب اعمال کو بھی دیکھتا ہے۔

تشریح: اس آیت میں حق تعالیٰ شانہ نے اپنی قدرت وطاقت کا ایک اجمالی نقشہ بیان کیا ہے تاکہ جن بندوں کا ذہن خدائی قدرتوں اور اس کی کرشمہ سازیوں کی طرف متوجہ نہ ہوتا ہو، وہ متوجہ ہوجائے اور خدا تعالیٰ کی پہچان ہوجائے، یہ ہم پر خدائی مہربانیاں ہیں کہ ہم کو صرف غور وفکر کا حکم نہیں دیا بلکہ تفکر وتدبر کے طریقے بھی بتلائے اور اس راہ میں آسانیاں بھی پیدا فرمادیئے، اگر تمہارا ذہن آسمان وزمین کی تخلیق کی طرف نہیں جاتا ہے تو ہم بتلاتے ہیں یہ کشادہ بے ستوں، نیلا، چمک دار، بے رخنہ آسمان اور یہ وسیع، مسطح، ہموار، زرخیز بے زرخیز، سخت اور نرم، اپنے پیٹ میں بے شمار خزائن رکھنے والی زمین۔ یہ سب ہماری کاری گری ہے، اگر تمہارا ذہن خدا تعالیٰ کے احاطۂ علمی کی طرف مبذول نہیں ہوتا ہے تو ہم کرواتے ہیں جو خزائن ومعدنیات زمین کے نہاخانوں میں پوشیدہ ہیں، وہ بارش جو برس کر زمین کا حصہ ہوجاتی ہے اور وہ مُردے جو مدفون ہوکر زمین کی غذا بن جاتے ہیں اور ہر وہ چیز جو زمین کے تاریک پردوں میں روپوش ہوجاتی ہے وہ میرے علم میں ہوتی ہے، میں اس سے پورا

* استاذ شعبۂ عالمیت ادارہ ہذا

باخبر رہتا ہوں اور ایسے ہی ہر وہ چیز جو لوگوں کے نفع کی خاطر زمین سے نکلتی ہے چاہے وہ باغات ہوں یا کھیتیاں، معادن ہوں یا کنوز سب سے ہم باخبر ہیں اور ایسے ہی آسمانوں سے جو چیزیں نازل ہوتی ہیں جیسے بارش کا برسنا، رحمت کا اُترنا، فرشتوں کا آنا، عذاب کا نازل ہونا، ایسے ہی جو چیزیں آسمان پر چڑھتی ہیں چاہے حسّی ہوں یا غیر حسی جیسے فرشتوں کا آسمانوں پر چڑھنا، عبادات وادعیہ کا پہنچنا وغیرہ سب سے ہم واقف ہوتے ہیں۔

یہ وہ مناظر تھے جو حق تعالیٰ شانہ کے شاہ کار تھے اب ان کے بیان کے بعد حق تعالیٰ نے اپنے بندوں کی غفلت کے پردہ کو وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ کہہ کر چاک کیا ہے کہ اپنی عبادتوں اور دعاؤں میں، اپنے راز ونیاز اور سرگوشیوں میں، اپنی جلوتوں اور خلوتوں میں، اپنے معاملات ومعاشرت میں غرض یہ کہ زندگی کے تمام حرکات وسکنات میں اس بات کا تصور رہنا چاہیئے کہ میرے اللہ کا علم اور اس کی قدرت میرے ساتھ ہے، جس دن یہ تصور ذہن نشین ہوجائے اسی دن سے ہماری زندگی کی کامیابیوں کا سفر شروع ہوجائے گا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس تصور کے ساتھ زندگی گذارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(بقیہ: صفحہ ۳۶ سے)

چنانچہ حدیث میں ہے کہ ان اللہ لم یجعل شفاکم فیما حرم علیکم؛ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ عباداللہ! تداووا ولاتداووا بحرام (سنن ابی داؤد باب الطب) دوا علاج کرو لیکن حرام سے نہیں (حلال سے کرو) اور یہ کوئی ضروری نہیں کہ جس چیز کا علاج اور ادواذکار سے نہ ہو اس کا اعلاج یقیناً طبابت (ڈاکٹری) وحکمت سے ہو ہی جائے، سارے فیصلے اللہ کے ہاتھ میں ہے وہی جسے چاہے شفاء دیتا ہے اور وہی جس کے لئے چاہے بیماری و موت کا فیصلہ کرتا ہے چنانچہ سورۂ یونس آیت ۱۰۷ میں ارشاد خداوندی ہے وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ؕ اگر اللہ تعالیٰ تجھ کو تکلیف پہنچادے تو اس کے سوا اس کو کوئی ہٹانے والا نہیں اور اگر تجھ کو کوئی بھلائی پہونچادے تو کوئی تجھ سے اس کے فضل کو پھیرنے والا نہیں۔

پس انسان اسباب شرعیہ ومباحہ کے اختیار کرلینے کے بعد اگر شفاء نہ پائے تو ساحروں کے پاس جانے کا مکلف ہے نہ ہی عرافوں، کاہنوں، نجومیوں، اور مرشدوں کے پاس جانے کا؛ سوائے اس کے کہ معاملہ اللہ کے سپرد کردے اور اس کے ہر فیصلہ پر بحیثیت ادنیٰ غلام کے راضی رہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو عقل سلیم سے نوازے اور بدعقیدگیوں میں مبتلا ہونے سے بچائے۔ آمین

درسِ حدیث

یتیموں کا مال کھانا حرام ہے

مولانا سید نذیر احمد یونس قاسمی*

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :اِجْتَنِبُوْا السَّبْعَ الْمُوْبِقَاتِ،قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَاهُنَّ؟ قَالَ: الشِّرْکُ بِاللّٰهِ وَالسِّحْرُ وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَکْلُ الرِّبٰوا وَمَالُ الْیَتِیْمِ وَالتَّوَلِّی یَوْمَ الزَّحْفِ وَقَذْفُ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنَاتِ الْغٰفِلٰتِ۔(رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سات ہلاک کردینے والی چیزوں سے بچو، صحابہ کرامؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ سات چیزیں کیا ہیں؟ فرمایا: اللہ کے ساتھ شرک کرنا، جادو کرنا، اس شخص کو قتل کرنا جس کے قتل کو اللہ نے حرام کردیا ہے مگر حق کے ساتھ، سود خوری، یتیم کا مال کھانا، جنگ کے دن پیٹھ پھیر کر بھاگنا اور بھولی بھالی پاک دامن مومن عورتوں پر تہمت لگانا۔

تشریح: شریعت میں یتیم اس بچے یا بچی کو کہتے ہیں جن کے حد بلوغ کو پہونچنے سے پہلے ان کے باپ کا انتقال ہوچکا ہو، اس یتیم کا اسلام میں بڑا خیال ولحاظ رکھا گیا چوں کہ ان کے سر سے سایۂ شفقت اُٹھ گیا ہے اور پدرانہ سرپرستی سے یہ محروم ہوگئے ہیں اور ایسے دُکھی انسانوں کا درد شریعت سب سے زیادہ محسوس کرتی ہے اور ان کا خیال رکھنے کا پورے معاشرہ کو حکم دیتی ہے کیوں کہ جس شخص کو باپ کا سایہ نہ ملے ممکن ہے کہ وہ تہذیبِ اسلامی وعالی اخلاق سے بے بہرہ رہ جائے اور معاشرہ کا ناسور بن جائے؛ اس لئے یتیموں کے والی آقائے رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یتیموں کا خیال رکھنے والوں اور ان پر خرچ کرنے والوں کی بڑی فضیلت بیان فرمائی ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں بالکل قریب ہوں گے اور شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی سے اشارہ فرمایا کہ جیسے یہ دونوں انگلیاں قریب ہیں ایسے ہی میں اور یتیم کی کفالت کرنے والے

*استاذ شعبۂ عالمیت ادارہ ہذا

قیامت میں قریب ہوں گے۔

صرف اللہ کی رضا کے لئے شفقت کے ساتھ یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرنے والے کو خوش خبری سنائی کہ جتنے بالوں پر اس کا ہاتھ گذرا ہے ہر بال کے عوض کئی نیکیاں حاصل ہوں گی، آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جہاں یہ ترغیب دی وہیں یتامیٰ کے ساتھ بدسلوکی کرنے والوں کو دھمکایا اور فرمایا کہ مسلمانوں میں سب سے بُرا گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ بدسلوکی کی جارہی ہو۔

یتیم حسنِ سلوک کا بڑا حق دار ہے اور اس کی کفالت کرنے والے اسکا لحاظ رکھیں اس لئے کہ جس گھر میں یتیم کے ساتھ اچھا سلوک کیا جاتا ہے اس میں اللہ کی رحمتیں و برکتیں نازل ہوتی ہیں اور اس یتیم کی وجہ سے خدا تعالیٰ اس گھرانہ کو اپنی ظاہری و باطنی عنایات سے نوازتے ہیں اس لئے اس کی نگہداشت میں کوئی کمی نہ رکھی جائے، یتیم اگر نادار اور محتاج ہے تو اس کی ضروریات کی تکمیل کے لئے شریعت نے ترغیب دلائی کہ اہل قرابت پھر ان کے بعد عامۃ المسلمین اس ذمہ داری کو اٹھائیں اور اگر یتیم مال دار ہو تو اس کی اور اس کے مال کی حفاظت کی جائے گی، اور یہ مال اس یتیم کی ضروریات میں خرچ کیا جائے گا اور ولی یا کفیل اگر مناسب سمجھتا ہے اور نفع کا ہی غالب امکان ہے اور عادۃ نقصان کا خطرہ نہ ہو تو اس مال کو جائز تجارت میں بھی لگا سکتا ہے اور یہ اختیار یتیم کے بالغ ہونے تک رہتا ہے، جب یتیم بالغ ہوا اور وہ شعور و عقل والا ہو جائے تو اس کا مال اس کے حوالے کر دیا جائے، لیکن اس مال کا من مانی استعمال ناجائز اور حرام ہے اللہ رب العزت نے فرمایا کہ جو لوگ یتیموں کا مال ظلماً کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں، وہ عن قریب جہنم میں پہونچیں گے۔ (سورہ نساء) روایات میں آتا ہے کہ یتیم کا مال ناحق کھانے والے قیامت کے دن اس طرح اُٹھائے جائیں گے کہ ان کے پیٹ کے آگ کی لپٹیں ان کے منھ ناک کانوں اور آنکھوں سے نکل رہی ہوں گی، حضرت ابو ہریرہؓ بیان فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں تم کو دو ضعیفوں کے مال سے بچنے کی تنبیہ کرتا ہوں ایک عورت اور دوسرے یتیم۔

ان تفصیلات سے معلوم ہوا کہ ناحق یتیم کا مال کھانا گناہِ کبیرہ اور ظلم عظیم ہے جو لوگ اس سلسلہ میں لاپرواہی برتتے ہیں وہ خدائی پکڑ سے نہیں بچ سکتے اس لئے یتیموں کے اولیاء مدارس کے ذمہ داران، یتیم خانوں کے نظماء ان سب کی ذمہ داری ہے کہ یتیموں کے مال کو دیانت داری کے ساتھ ان پر خرچ کریں اور ان کی بہترین کفالت کر کے اپنے کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوش خبری کے مستحق بنالیں۔

اللہ تعالیٰ توفیق عمل نصیب فرمائے۔ آمین

پیش گفتار

آوازِ دل درآغوشِ حرم!

مدیر

یکم ستمبر ۲۰۱۴ء کو یہ عاجز سابرمتی جیل احمد آباد گجرات سے ضمانت پر رہا ہوا، جیل ہی میں ارادہ کیا تھا کہ ضمانت ملنے پر سب سے قبل حرمین شریفین حاضری دوں گا، اور کعبۃ اللہ کے دامن میں مولائے مہربان کے حضور سجدۂ شکر بجالاؤں گا، اللہ تعالیٰ کی مرضی کہ رہائی کی خوش خبری کے ساتھ یہ مایوسی بھی نصیبے میں آئی کہ ضمانت کے شرائط میں پاسپورٹ کا کورٹ میں جمع کرنا بھی شامل تھا، الخیر فی ماوقع کے عقیدے سے مدد حاصل کرتے ہوئے سرِ تسلیم خم کرلیا؛ تاہم یہ تمنا برابر دل میں انگڑائیاں لیتی رہی اور لَا تَایْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللہِ کا مژدہ امید افزاء بنا رہا، حرم پاک جانے والے ہر عازم سے دعاؤں کی درخواست اور خود بھی دعاؤں کا اہتمام کرتا رہا، دو سال مکمل گذر جانے کے بعد عدالتُ العالیہ احمد آباد نے بالآخر پاسپورٹ کی حوالگی اور سفر کی اجازت دے دی۔

بفضلہٖ تعالیٰ ومنّہٖ وکرمہٖ ۱۹ ربیع الاول ۱۴۳۸ھ بروز دوشنبہ راجیو گاندھی انٹرنیشنل ایرپورٹ حیدرآباد سے ٹھیک بارہ بج کر پچاس منٹ پر روانہ ہوا اور سعودی وقت کے مطابق شام کو چھ بج کر تیس منٹ پر کنگ عبدالعزیز انٹرنیشنل ایرپورٹ جدہ پہونچا؛ امیگریشن کی کاروائی جو حیدرآباد میں صرف تین منٹ میں ہوئی تھی اس کے لئے جدہ میں دو گھنٹے کا وقت لگا، بیٹی داماد ریاض سے پہلے ہی جدہ پہونچ چکے تھے، ان کے ہم راہ قیام گاہ پر پہونچا، نماز وطعام کے بعد مناسب یہی معلوم ہوا کہ رات آرام کرکے صبح حرم شریف پہونچا جائے، کیوں کہ دورانِ سفر طبیعت کافی مضمحل ہوچکی تھی؛ الحمدللہ تعالیٰ اولِ وقت فجر ادا کرکے جدہ سے حرم شریف کے لئے روانگی ہوئی اور دس بجے صبح سے قبل ہی عمرہ کی تکمیل ہوگئی؛ دو سال کی مایوسی ومحرومی اور پچھلے عمرے سے واپسی کے فوراً بعد پیش آئے صبر آزما حالات کے تناظر میں کعبۃ اللہ کی یہ زیارت دل گداز کیفیاتِ روحانیہ سے لبریز اور نہایت ہی ایمان افزا محسوس ہوئی، خیال ہوا کہ کہاں شعبِ ابی طالب کی تین سالہ طویل مظلومانہ حراستِ نبوی ﷺ ـــ اور کہاں

سابرمتی جیل کی پانچ ماہی حوائجِ ضروریہ سے آراستہ میری اسارت؟ چہ نسبت خاک را بہ عالمِ پاک!

سچ ہے اشد الناس بلاء الانبیاء ثم الامثل فالامثل، اللہ تعالیٰ اگر آزمائشوں میں بندوں کے ایمان کی قوت وضعف کی رعایت نہ فرماتا تو دنیا سے ایمان کا سلامت لے جانا مجھ ایسے شخص کے لئے تو ممکن نہ ہوتا، فللّٰہ الحمد علی نعمائہ الشاملۃ و الائہ الکاملۃ۔

اس آزمائش میں مجھے جو نقد اجر ملا وہ اہل اللہ صالحین، عُلماء وطلبہ ہی کی نہیں بلاشبہ لاکھوں آشنا و ناآشنا مسلمانوں کی بے پناہ مخلصانہ وغائبانہ دعاؤں کا تحفہ ہے، کیسے کیسے بندوں نے کہاں کہاں اس عاجز کے لئے دعائیں کیں تفصیل تو میں بتلا بھی نہیں سکتا، ایک مخلص نوجوان کا ذکر ضرور کروں گا جس کی مجھ سے اب تک بھی ملاقات وتعارف نہ ہوسکا مگر اس مخلص بندے نے میری گرفتاری سے لے کر رہائی تک روزانہ طواف کر کے اس عاجز کے لئے دعا کا اہتمام کیا؛ نہ کوئی رشتہ داری نہ تلمُّذ وارادت کا تعلق، نہ دوستی کا معاملہ نہ کبھی ملاقات وتعارف، یہ اہتمام محض اس لئے کیا کہ وہ میرا خادمِ دین ہونا جانتا تھا! میں بہ جز دعائے خیر علی ظہر الغیب کے ان مخلصین اکابر، معاصر واصاغر کو اور کچھ بھی نہیں دے سکتا، وائے بے بسی کہ ان کا شکر بھی نہیں ادا کرسکتا، کہاں کہاں جاؤں؟ کس کس سے ملوں؟ اے علیم وبصیر! اور اے لطیف وخبیر! تو سب سے باخبر ہے سب کو اک خادم دین کے ساتھ کی گئی اس خیر خواہی کا بدلہ اپنی قدرت سے اپنی شان کے موافق عطا فرما!! آمین بجاھک الکریم

اس کے برخلاف کچھ یارلوگوں نے بلکہ بعض اہل العلم والفضل نے تک اس موقعہ سے بے پر کی اُڑائیں، اندازوں اور تخمینوں سے بہت سی باتیں بنائیں، ایسی ایسی باتیں سمجھ لی گئیں اور بالجزم دوسروں کو بتائی گئیں کہ اُن کے ثبوت سے عنداللہ سبکدوشی ممکن نہیں۔ عاملھم اللہ بلطفہ المعافات والمغفرۃ ظاہر ہے کہ ایسے مواقع پر خدامِ دین سے متعلق دو طبقے ہو ہی جاتے ہیں، ایک کے حق میں یہ آزمائش ناگوار ثابت ہوتی ہے اور وہ اِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ کا مصداق بن جاتا ہے اور دوسرا طبقہ بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا وَّزُيِّنَ ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ کے زُمرے میں آتا ہے؛ بہرحال! یہ عاجز جو حرمِ مدینہ کے اندر جوارِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں بیٹھ کر یہ سطریں لکھ رہا ہے خوب اطمینان رکھتا ہے کہ وہ اس آزمائش میں نہ مخلوقِ خدا کا ظالم ہے نہ ان شاء اللہ خالقِ کائنات کا مجرم! بس یہ سمجھتا ہے کہ جو طالب علم اپنی فکر و شوق سے ترقی نہیں کرتا مشفق استاد تادیب وتنبیہ کے ذریعہ اُسے آگے بڑھاتا ہے، وللہ الحمد فی الاولیٰ والآخرۃ۔ یہ تو اپنا ذکر تھا حرمین شریفین کے حالات یہ ہیں کہ

پہلی دفعہ غالباً سن بیاسی عیسوی میں حرمین شریفین حاضری کا موقعہ ملا تھا اُس وقت چوں کہ میں رمضان المبارک کے درسِ قرآن کے سلسلے میں مسقط جارہا تھا اس لئے یہاں کی حاضری بہت مختصر مدت کے لئے

تھی، اُس وقت تک حرمین شریفین کی ملک فہد والی توسیع بھی نہیں ہوئی تھی، اس لئے بہت حد تک قدیم روایات برقرار تھیں، عمّار وزرّاء کا ہجوم بھی اتنا زیادہ نہ تھا، جدید وسائلِ حیات اور سہولیات کا بھی یہ عالم نہ تھا، بالخصوص موبائل فون کی لغویات تو کیا یہ فون ہی وجود میں نہ آیا تھا؛ میں حرم مکہ پہونچا تو تمام سُنن وآداب کی رعایت ممکن ہوئی، جو لوگ وہاں مقیم تھے وہ اُن تاریخی مقامات وواقعات سے واقف تھے جن کا تعلق امام الانبیاء حبیبِ کبریا نورالابصار وفرحت القلوب سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ سے متعلق ہونے کی وجہ سے ہر عمل میں فرحت وانبساط اور لذت وذوق پیدا کرتے ہیں، جدھر دیکھو گریہ وزاری، دعوات وصلوٰت ہی کا منظر نظر آتا تھا، کوئی قرآن پڑھ رہا ہوتا، کوئی طواف کر رہا ہوتا، کوئی نوافل میں مشغول دکھائی دیتا، کوئی ہاتھ اُٹھائے گڑگڑا رہا ہوتا، باتوں کی محفلیں احباب کے درمیان دکھائی تو دیتیں مگر ان میں خیر اور مقام کا ادب غالب ہوتا، عورتیں اپنے علاقوں میں مشغولِ عبادت ہوتیں، دورانِ طواف مردوں کے ساتھ اختلاط کی مجبوری کو باحیا اداؤں اور فطری شرم کے تقاضوں سے آراستہ رکھی ہوتیں؛ عجب نورانی وروحانی سماں بندھا ہوتا تھا۔

مدینہ منورہ حاضری ہوئی تو باب عبدالمجید تک ہی مسجد کی عمارت تھی، اطراف میں کھجور کے درخت اور پارکنگ تھی، یہیں پر گاڑی پارک کر کے مسجد میں داخل ہوئے عظمت واحترام ہر طرف دکھائی دے رہا تھا، مسجد کے تمام گوشوں میں لوگ یا تو عبادت میں مشغول تھے یا اپنے بزرگوں سے سیکھنے سکھانے میں لگے ہوئے تھے، صفّہ پر دن میں لوگ نوافل میں دکھائی دئے، رات میں حفاظ وطلبہ نفلوں میں تلاوت کرتے ہوئے نظر آئے، ریاض الجنۃ میں بلا کا سکون اور انتہائی للّٰہی جذبات نظر آئے تھے، حظیرۂ مقدسہ کے تینوں جانب بنے ہوئے بلند چوکھٹے پر مسنون وضع اور نورانی حُلیئے میں محافظ کھڑے ہوئے تھے، وہ خود صلوٰۃ وسلام میں مشغول تھے، اتنے باادب تھے کہ انہیں دیکھ کر آدمی کو مقام کا احترام سمجھ میں آجاتا تھا، نہ خود آواز بلند کرتے نہ کسی کو کرنے دیتے، کوئی ضدی اشارے کنایے سے نہ مانتا تو وہ خود اُتر کر آتے اور بڑی نرمی وملاطفت سے اُسے روکتے تھے، نہ پولس دکھائی دی نہ فوج کی سختیاں نظر آئیں، جنت البقیع میں مدفون ایک ایک صحابیؓ اور اپنے اکابر کی زیارت کا بہ آسانی موقعہ ملا، اسی طرح جنّتُ المعلّٰی میں بھی؛ غرض! وہ ایک یادگار اور خوش گوار حاضری تھی اور جب بھی یاد آتی ہے تو دل مچل جاتا اور روح تڑپ اٹھتی ہے کہ کاش! پھر ایک دفعہ مسلمانوں کے قلوب میں حرمین شریفین کا وہ احترام اور وہ تعظیم لوٹ آئے جو سلف صالحین کے قلوب میں تھی، ائمہ وعلماء کی طرح نہ سہی ہمارے آباء واجداد ہی کی طرح جذباتِ عقیدت وادب پیدا ہوجائیں۔ واللہ الموفق وھو الھادی

اب صورت حال یہ ہے کہ قلوب کی کیفیت تو عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ہی کو معلوم ہے اور یقیناً ایمانی واسلامی ہی ہوگی مگر ظاہری ادب واحترام قطعاً مفقود ہوتا چلا جارہا ہے، پہلے کعبۃ اللہ میں حق تعالیٰ کا اجلال اور

مسجد نبوی میں نبی رحمت ﷺ کی محبت و تعظیم زائرین کی ہر ادا سے ٹپکتی دکھائی دیتی تھی، جاہل و غافل بھی دوسروں کے جذبات و آداب کو دیکھ کر فوراً سنبھل اور سُدھر جاتا تھا مگر اب کوئی جگہ موبائیل کے اس دجالی فتنے اور اس کے مسموم و منحوس اثرات سے خالی نہیں ہے؛ طواف کر رہے ہوں کہ حجرِ اسود کا استیلام ہو، حطیم میں دوگانے کی توفیق ہو یا ملتزم پر گڑگڑانے کا موقع، سعی بین الصفا والمروہ کا مبارک عمل ہو یا مقامِ ابراھیم علیہ السلام کا دوگانہ، خدمتِ مبارکہ میں سلام کے لئے مواجہ شریف کی حاضری ہو یا ریاض الجنۃ کا مقدس مقام ہر جگہ فضول بکواس اور تصویر کشی کا سلسلہ جاری رہتا ہے، بچوں کے کھیل کود کا کہرام علاحدہ رہتا ہے اور صحنوں میں ہم طعامی کی محفلیں بھی چل رہی ہوتی ہیں، ایسا نہیں ہے کہ مخلصین اور عاشقانِ خدا اور رسول اس مجمع میں نہیں ہیں، ہیں اور بہت ہیں مگر مغلوب ہیں اور یہ نامعقول تہذیب غالب ہو چکی ہے، اسلامی نقطۂ نظر سے ناپسندیدہ لباس اور برہنہ سری عام ہے یہی نہیں کہ برہنہ سر حاضر ہیں اُوپر سے بالوں کی واہیات قسم کی وضع بنائے ہوئے ہیں، اسی حال میں بلا تکلف نمازیں پڑھی جارہی ہیں اور روضۂ رسول ﷺ پر بھی حاضری دی جارہی ہے، بہر حال دوسروں کا کیا شکوہ کروں اپنے ضعفِ ایمان کا رونا روتا ہوں کہ مجھ ایسے ضعیف الایمان آدمی کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف لَو لگانے اور اس کے حبیب ﷺ کے احسانات پر دھیان دیتے ہوئے تشکُّر و ممنونیت کے جذبات پیدا کرنے میں یہ غافلانہ و لاہیانہ ماحول بہت اثر انداز ہو رہا ہے، عجمیوں کا یہی حال ہے عربوں کا یہی طریق ہے؛ مقاماتِ مُقدسہ اور تاریخی اہمیت کی حامل جگہوں کی زیارت، سیرتِ طیبہ کے حوالے سے اسباق و عبر کا حصول دن بہ دن ختم ہوتا جارہا ہے، اس کی جگہ لغو و لایعنی مشاغل آتے جارہے ہیں؛ نیز حکومت اور ائمہ کی جانب سے ان امور پر توجہ تو دلائی جاتی ہے مگر یہ توجُّہ دہانی مجموعی طور پر اور مشربی تحفظات کے ساتھ ہوتی ہے، تفصیلی طور پر تہذیبِ اسلام و ادبِ اسلاف کی تلقین ایسا محسوس ہوتا ہے کہ خود یہاں کے علماء پر گراں ہے اور وہ اُسے توحید کی اپنی تحقیق کے مغائر سمجھتے ہیں، دیگر علاقے کے علماء و مشائخ کو تو خیر اس کی اجازت ہی نہیں ہے، یہاں کے عوام الناس میں بھی دیگر علاقوں کی طرح یورپی تہذیب عام ہو چکی تھی، اب خواص بھی اس سے محفوظ نہیں رہ پا رہے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ زمانے کے بدلتے حالات اور عالمی انقلابات نے حرمین شریفین کا اور یہاں حاضر ہونے والوں کا نقشہ بدل دیا ہے؛ ظاہری ترقیاں، بازاروں کی رونقیں خرید و فروخت کی سرگرمیاں عروج پر ہیں، حرمین شریفین حاضری کا شوق اور فوج در فوج آمد میں بھی کمی نہیں بلکہ دن بہ دن زیادتی ہے، زم زم سے سیرابی اور کھجوروں کے سوغات بھی جاری ہیں، تاہم ان مقامات مقدسہ و مشرّفہ کا قدیمی احترام ختم ہو گیا ہے، اس صورت حال کو دیکھ کر دل دُکھتا اور آنکھیں روتی ہیں کہ گذشتہ چند دہائیوں کے اندر کیا سے کیا تبدیلی آگئی، کھٹک ہوتی ہے کہ مقاماتِ مقدسہ کے احترام و تقدس کا زوال اسی رفتار سے جاری رہا تو آخر کار کیا ہوگا؟ دلی دعا ہے اور

قارئین کرام بھی آمین کہیں کہ حق تعالیٰ کسی مردِ غیب اور مُصلحِ کامل کے ذریعہ اس درد کی دوا اور اس صورت حال کے علاج کا سامان فرمادے آمین وما ذالك على الله بعزيز۔

حرمین شریفین کے ساتھ مسلمانوں کے بدلتے اقدار کے اس ماتم کے بعد جی چاہتا ہے کہ سعودی عرب کے عام حالات کا کا بھی ایک سرسری خاکہ قارئین تک پہونچا دیا جائے، اس وقت مملکت معاشی واقتصادی اضمحلال سے دوچار ہے، لوگوں میں بالخصوص خارجیوں میں طرح طرح کی بے چینی پائی جاتی ہے، دو دن قبل مملکت کا بجٹ سامنے آیا جس کے بعد سے خارجی طبقہ سخت مایوسی کا شکار دکھائی دے رہا ہے، کمپنیوں میں تنخواہیں رُکی ہوئی ہیں، سینکڑوں کی تعداد میں ورکرز کو معطل کیا جارہا ہے، اچھی اچھی کمپنیاں دم توڑتی دکھائی دے رہی ہیں، افواہوں کے بازار گرم ہیں، امکانات واندیشوں کی بھرمار ہے، خود گورنمنٹ کے اہم پراجکٹ معرضِ التواء میں ہیں، حتیٰ کہ حرم مکہ میں تعمیری وتوسیعی کام برائے نام چل رہا ہے، کہا جارہا ہے کہ اس مالیتی سال کے دوران معاشی استحکام نہ ہوسکا تو پھر قدم جمانا مشکل تر ہوجائے گا؛ اس جمعہ کے خطبے میں امام حرم مکی نے بہت ہی حزن ودرد کے ساتھ تازہ آزمائشوں کا ذکر کیا، انبیاء سابقین اور سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آزمائشوں اور ان کے صبر وثبات کے حوالے سے مسلمانوں کو تلقین کی کہ وہ ان حالات میں صبر سے کام لیں، حق تعالیٰ سے یُسر وکشائش کی اور مسلم اُمّہ کو درپیش مسائل کے جلد حل ہونے کی امید رکھیں، دعاؤں کا اہتمام کریں وغیرہ۔ اللہ پاک حفاظت فرمائے اور خیر کے فیصلے فرمائے۔ آمین۔

اس سب کے باوجود مقامی باشندوں کی عیش وعشرت حسبِ حال ہے، اسراف وتبذیر بالخصوص روزی کا ضیاع ناقابلِ یقین حد تک عام ہے، حلب وشام کی خون آشام خبریں اور اندوہناک مناظر بھی عربوں کی آزادروی اور بے پروا زندگی کو نہ بدل سکے تو نہ معلوم آخر یہ قوم کس چیز کے انتظار میں ہے، کیا نبأعظیم ہی کے منتظر ہے؟ اللہ پاک سے دعا ہے کہ وہ مملکت کے وُلاۃِ امر اور علماء دین کی صحیح راہ نمائی فرمائے، سعودی عرب حرمین شریفین کی وجہ سے مسلمانوں کے دل کی دھڑکن ہے اور اس کی سلامتی ہر ایمان والے کو عزیز ہے؛ اس کا زوال پورے خطے کا زوال ہے، اس کی سلامتی پورے علاقے کی سلامتی کا سبب ہے، تمام مسلمانوں کو مملکت اور اس کے وُلاۃ ودُعاۃ کے لئے خاص طور پر دعائیں کرتے رہنا چاہیئے۔

والسلام

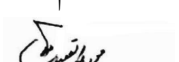

وارِدحال مدینۃ المنورہ

گوشۂ خواتین

محبت بھری زندگی کے لئے باہمی صلح وصفائی ضروری ہے

از: مفتی محمد احمد علی قاسمی*

انسانی طبیعتوں اور مزاجوں میں اختلاف اور فرق کے باعث کسی وقت کسی بھی دو شخصوں یا دو جماعتوں کے مابین کسی بدمعاملگی کی وجہ سے اختلاف کا ہوجانا ایک فطری امر ہے، بسا اوقات یہ اختلاف اختلاف ہی کی حد تک رہتا ہے اور بعض اوقات لڑائی جھگڑے، فتنہ وفساد حتیٰ کہ قتل وغارت گری تک کی نوبت بھی آجاتی ہے، ایسے حالات میں بعض شر پسند لوگ ان اختلافات کا ناجائز فائدہ اٹھا کر مزید دوریاں اور دشمنیاں پیدا کرنے کا بدترین کام کرتے ہیں؛ جس کو حدیث پاک میں "فساد ذات البین" (یعنی آپسی بگاڑ) کہا گیا ہے، اور بعض صلح پسند اور نیک طبع لوگ اِن نازک حالات میں بڑی حکمت ومصلحت کے ساتھ بے غرض اور غیر جانبدار ہوکر دونوں کے درمیان اصلاح ودرستگی کی مخلصانہ کوشش کرتے ہیں؛ جس کو حدیث مبارک میں "اصلاح ذات البین" (یعنی آپسی بگاڑ کی اصلاح کرادینا) کہا گیا ہے، عورتوں میں باہم اکثر آپسی اختلافات کے واقعات آئے دن پیش آتے رہتے ہیں، ایسے وقت میں وہ ایک دوسرے سے اُن کی شکایتیں اور بُرائیاں سن کر یا چُپ ہوجاتیں یا پھر خود بُرائی میں شریک ہوکر مزید دوریاں پیدا کرنے کا ذریعہ بنتی ہیں، اور بعض نیک بندیاں الحمدللہ باہمی رنجش وعداوت رکھنے والوں کے درمیان صُلح واصلاح کی کوشش کرتیں ہیں؛ یہی اسلامی تعلیم اور باہمی اخوت ومحبت کا تقاضہ ہے؛ ارشاد باری تعالیٰ ہے: مسلمان تو سب بھائی ہیں اس لئے اپنے بھائیوں کے درمیان اصلاح کردیا کرو (تاکہ یہ اسلامی برادری قائم رہے) اور اصلاح کے وقت تم اللہ ڈرتے رہو، تاکہ تم پر رحمت کی جائے (سورۃ الحجرات: ۱۰) حدیث میں آپسی بگاڑ کے دور کردینے کو نفلی روزوں، نمازوں اور صدقات سے افضل قرار دیا گیا ہے؛ حضرت ابودرداءؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا میں وہ چیزیں تم کو نہ بتادوں جو روزہ، صدقہ، نماز سے درجہ میں افضل ہے؟ ہم نے عرض کیا: ضرور ارشاد فرمائیے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ چیز آپس میں بگاڑ کی اصلاح کرادینا ہے اور (سنو!) آپس کا بگاڑ (دین کو) مونڈ دینے والی چیز ہے، (مشکوٰۃ) جھوٹ بولنا اسلام میں سخت ترین گناہ ہے؛ حتیٰ کہ اس کو نفاق کی علامت قرار دیا؛ لیکن آپسی

* استاذ شعبۂ عالمیت ادارہ ہذا

اختلاف اور فتنہ وفساد کو دور کرنے کے لئے اگر جھوٹ بات کا سہارا لینے کی ضرورت پڑے تو بھی اس کی اجازت دی گئی ہے، حضرت ام کلثومؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ آدمی جھوٹا اور گنہگار نہیں ہے جو باہم لڑنے والے آدمیوں کے درمیان صلح کرانے کی کوشش کرے اور اس سلسلہ میں (ایک فریق کی طرف سے دوسرے فریق کو) خیر وبھلائی کی باتیں پہونچائے اور اچھی باتیں عام کرے۔ (بخاری)

مطلب یہ ہے کہ اگر کسی دو شخصوں کے درمیان ناموافقت اور جھگڑا ہو جائے اور تیسرا آدمی اُن میں سے ایک کے پاس جائے اور اُس سے کہے کہ فلاں شخص (جس سے نااتفاقی اور جھگڑا ہے) نے تو آپ کی تعریف کی ہے اور اُس نے آپ کے بارے میں اچھی بات کہی ہے، پھر دوسرے شخص کے پاس جا کر بھی ایسی ہی بات کہی تو جھوٹ نہیں ہے۔ (اگر چہ دونوں نے ایسا کچھ نہ کہا ہو)

آپس میں صلح کرانے کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی بسا اوقات بذاتِ خود سفر کر کے ایسے لوگوں کے یہاں تشریف لے جاتے تھے جن میں باہم لڑائی جھگڑا ہے، اور اُن میں صلح فرماتے تھے: ''حضرت سہل بن سعدؓ فرماتے ہیں کہ قبا والے آپس میں لڑ پڑے، حتیٰ کہ انہوں نے ایک دوسرے پر پتھر برسائے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کا پتہ چلا تو فرمایا: آؤ چلیں اُن کی صلح کرائیں۔ (بخاری) حضرت سہل کی ایک روایت میں ہے کہ بنو عمرو بن عوف کا آپس میں کچھ جھگڑا ہو گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے کچھ صحابہؓ کو لے کر اُن میں صلح کرانے کے لئے تشریف لے گئے۔ (بخاری بحوالہ حیاۃ الصحابہؓ)

بہر حال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اِن پاکیزہ تعلیمات سے آپسی سلوک کی نزاکت معلوم ہوتی ہے، اِس لئے ہر شخص کو ـــــ خواہ مرد ہو یا عورت ـــــ چاہیئے کہ آپسی تعلقات کو اس طرح درست اور بہتر بنائے رکھیں کہ کسی سے باہمی رنجش اور عداوت کے جذبات نہ ہوں، اور اگر کسی دو شخصوں کے مابین تعلقات میں کشیدگی اور ناموافقت ہو تو صلح وصفائی کی بھرپور کوشش کرے۔

عورتوں میں آپسی تعلقات میں خرابی اور بگاڑ اکثر ہوتا رہتا ہے، اور وہ معمولی معمولی باتوں پر ناراضگی اور دوری پیدا کر لیتی ہیں، یہی چیز باہمی بگاڑ وفساد اور آبروریزی کا سبب بھی بن جاتی ہے، ایسے وقت دوسری بہنوں کو باہمی اصلاح وصلح کی کوشش کر کے تعلقات کو استوار اور بہتر کر دینا چاہیئے، یہ چیز جہاں باہمی محبت ومودت اور اتفاق واتحاد کا ذریعہ ہے، وہیں پر اجر وثواب کا باعث بھی ہے، سکون واطمینان اور پیار ومحبت سے بھری زندگی گذارنے کے لئے اِس سے بہتر کوئی نسخہ نہیں ہو سکتا۔

اللہ تعالیٰ اِن مبارک تعلیمات کی قدردانی اور توفیق عمل نصیب فرمائے۔ آمین

گوشۂ خواتین

اسلام کی باکمال خواتین

ترجمہ وتلخیص: مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی*

خواتین معاشرے کے نصف حصہ کی حیثیت رکھتی ہیں، خواتین اسلام نے اپنی نزاکت ولطافت کے باوصف انہوں نے اپنے پیچھے جوتابندہ نقوش اور کردار چھوڑے ہیں، اور اپنی حیات مستعار میں جو کمالات اور دین اسلام کے لئے جو قربانیاں پیش کیں ہیں، اخلاق وکردار کے جو ہر دکھائے ہیں، بحیثیت ماں، بیٹی، بہو، ساس اور بیوی کے امت کی تربیت اور ان کی اخلاقی اور سماجی پروان اور چڑھاؤ کے لئے جو اعلیٰ کردار پیش کیا ہے، اور اپنے لئے واقعتاً باکمال باپ کی بیٹی، باکمال بیٹے کی ماں، باکمال بھائی کی بہن اور باکمال شوہر کی بیوی کا وصف پیش کیا ہے، یہ تاریخ کا سنہرا اور انمٹ باب ہے، یہ خواتین ہی ہیں جو مردان کار پیدا کرتی ہیں، انہیں کی گود میں جیالے، باکمال اور باوصف مرد پرورش پاتے ہیں، یہ رجال سازی، مردم گری کا کارخانہ ہیں، ہم یہاں انہیں خواتین اسلام کے عظیم کارناموں پر روشنی ڈالنے کے لئے اور خصوصا خواتین اسلام کی زندگی کے اہم اور باوصف گوشوں کے اظہار کے لئے اسلام کی نامور خواتین کا تذکرہ کررہے ہیں۔

ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا:

یہ ام قاسم اور خویلد بن اسد قریشی اسدی کی بیٹی ہیں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کی ماں ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے ایمان لانے والی، جنہوں نے سب سے پہلی آپ کی تصدیق کی، آپ کی ڈھارس بندھوائی اور آپ کی دل جوئی کا سامان کیا، اور آپ کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔

(سیر اعلام النبلاء: ۲/۱۰۹۔۱۱۷)

باکمال خاتون:

ان کے مناقب وفضائل بے شمار ہیں، یہ عورتوں میں کامل ومکمل عورت تھیں، یہ نہایت ذی عقل، زیرک، متدین، باعزت اور شرف وکمال کی حامل جنتی عورت تھیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی تعریف وتوصیف فرماتے، تمام امہات المؤمنین پر ان کو فضیلت دیتے، ان کی نہایت تعظیم وتکریم فرماتے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں

کہ: ''ماغرتُ من امرأۃ ماغرتُ من خدیجہ، من کثرۃ ذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم لہا'' (مجھے کسی عورت پر اتنی غیرت نہیں ہوتی جتنی حضرت خدیجہؓ پر ہوتی، کیوں کہ نبی کریم ﷺ ان کا کثرت سے ذکر فرماتے)۔

نبی کریم ﷺ کی بہترین رفیق حیات:

ان کی شرافت اور عظمت کے لئے یہ کافی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان کے پیغامِ نکاح نہیں فرمایا، انہیں سے آپ ﷺ کی کئی ایک اولاد ہوئیں، ان کے حین حیات کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں فرمایا، یہ اچھی رفیقِ حیات تھیں، یہ نبی کریم ﷺ پر اپنا مال صرف کرتیں اور خود نبی کریم ﷺ ان کے لئے تجارت فرماتے۔

اللہ عزوجل نے آپ ﷺ سے فرمایا کہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو جنت میں ایک موتی کے گھر کی بشارت ہو، جس میں نہ کسی قسم کا شور وغل ہوگا نہ کوئی تکلیف ہوگی۔ ''أن یبشر ھا ببیت فی الجنۃ من قصب، ولا صخب فیہ ولا نصب'' (بخاری: باب غیرۃ النساء ووجدھن، حدیث: ۳۸۱۷)

حضرت خدیجہؓ رسول اللہ ﷺ کی زوجیت میں آنے سے پہلے:

زبیر بن بکار کہتے ہیں: حضرت خدیجہؓ زمانہ جاہلیت میں طاہرہ (پاکیزہ عورت) کے نام سے جانی جاتی تھیں، ان کی ماں فاطمہ بنت زائدہ عامریہ تھیں؛ پہلے ابو ہالہ بن زرارہ تمیمی کی زوجیت میں تھیں، پھر عتیق بن عابد بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم کی زوجیت میں آئیں، پھر نبی کریم ﷺ کی حریم بنیں، نکاح کے وقت نبی کریم ﷺ کی عمر مبارک پچیس سال اور حضرت خدیجہ آپ سے پندرہ سال عمر میں بڑی تھیں۔

رسول اللہ ﷺ سے نکاح:

ابن اسحاق کہتے ہیں: ابو طالب اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد نبی کریم ﷺ پر پے در پے مصائب آپڑے، حضرت خدیجہ نبی کریم ﷺ کی سچی وزیرہ اور رفیقہ تھیں، یہ نہایت متمول اور صاحبِ ثروت تھیں، انہوں نے نبی کریم ﷺ سے اپنا مال ملک شام بغرض تجارت لے جانے کی پیشکش کی، نبی کریم ﷺ حضرت خدیجہؓ کے غلام میسرہ کے ساتھ بغرض تجارت گئے، جب آپ واپس تشریف لائے تو حضرت خدیجہؓ نے آپ کے لائے ہوئے مال کو بیچ کر دوگنا نفع حاصل کیا، آپ ﷺ میں (اعلیٰ اخلاق و اوصاف کو دیکھ کر) اُنھیں رغبت ہوئی، تو انہوں نے اپنے کو حضور اکرم ﷺ کے لئے پیش کیا۔

حضرت خدیجہؓ سے نبی کریم ﷺ کی اولاد اطہار:

حضرت خدیجہ سے آپ ﷺ کی یہ اولاد ہوئیں: قاسم، طیب، طاہر، یہ بچپن میں ہی انتقال کر گئے، رقیہ، زینب، ام کلثوم اور فاطمہ رضی اللہ عنھن۔

حضرت خدیجہؓ رسول اللہ ﷺ کی ڈھارس باندھتی ہیں:

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: نبی کریم ﷺ پر وحی کی ابتداء اچھے خوابوں کے ذریعہ ہوئی، یہاں تک کہ آپ کو حکم ہوا ''اقرأ باسم ربك الذی خلق'' (سورۃ العلق) (پڑھئے اس رب کے نام سے جس نے پیدا کیا) ام المومنین فرماتی ہیں: آپ یہ آیت پڑھتے ہوئے گھر تشریف لائے تو اس وقت آپ کا دل دھڑک رہا تھا، چنانچہ حضرت خدیجہؓ کے پاس پہنچ کر آپ نے فرمایا مجھے کمبل اڑھا دو؛ حضرت خدیجہؓ نے آپ کو کپڑا اوڑھایا، جب آپ کی بے قراری دور ہوئی اور دل ٹھکانے ہوا تو ساری کیفیت خدیجہؓ سے بیان فرمائی اور فرمایا کہ مجھے اپنی جان کا خوف ہے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: اللہ کی قسم! یہ ہرگز نہیں ہوسکتا، آپ کو بالکل فکر نہ کرنی چاہیے، خدائے تعالیٰ آپ کو ضائع نہ کرے گا کیونکہ آپ تو برادر پرور ہیں، محتاجوں کی مدد کرتے ہیں، کمزوروں کا کام کرتے ہیں، مہمان نوازی فرماتے ہیں اور جائز ضرورتوں میں لوگوں کے کام آتے ہیں؛ اس کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ ورقہ نے دور جاہلیت میں عیسائی مذہب اختیار کرلیا تھا اور انجیل کا (سریانی زبان سے) عبرانی میں ترجمہ کرکے لکھا کرتے تھے، بہت ضعیف العمر اور نابینا بھی تھے، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان کے پاس پہنچ کر کہا: ابن عم! ذرا اپنے بھتیجے کی حالت تو سنئے! ورقہ نے کہا: کیوں بھتیجے کیا کیفیت ہے؟ آپ نے جو کچھ دیکھا تھا ورقہ سے بیان کردیا جب ورقہ حضور ﷺ سے سب حال سن لیا تو کہا کہ یہ فرشتہ وہی ناموس ہے، جس کو خدائے تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمایا تھا۔ ''هذا الناموس الذی أنزل علی موسیٰ'' کاش! میں عہد نبوت میں جوان ہوتا کاش! میں اس زمانہ میں زندہ ہوتا جب کہ آپ کو قوم (وطن سے) نکالے گی، حضور ﷺ نے فرمایا کیا یہ لوگ مجھے نکال دیں گے؟ ورقہ نے کہا: جی ہاں! جو شخص بھی آپ کی طرح دین الٰہی لایا ہے اس سے عداوت کی گئی ہے، اگر میں آپ کے عہد نبوت میں موجود ہوا تو کافی امداد کروں گا، لیکن اس کے کچھ ہی دنوں بعد ورقہ کا انتقال ہوگیا اور سلسلۂ وحی بھی بند رہا۔

(بخاری: کیف کان بدء الوحی، حدیث: ۳)

پہلی اسلام قبول کرنے والی خاتون:

شیخ عزالدین بن الاثیر کہتے ہیں: باجماع امت حضرت خدیجہؓ سب سے پہلے اسلام لانے والی ہیں۔

حضرت خدیجہؓ کی فضیلت دوسروں پر:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب حضرت خدیجہؓ کا تذکرہ فرماتے تو ان کی تعریف وتوصیف اور ان کے لئے استغفار سے نہیں اکتاتے، ایک دن آپ ﷺ نے حضرت خدیجہؓ کا

تذکرہ فرمایا، تو مجھے غیرت ہوئی، میں نے کہا: اس بڑی عمر والی عورت کے مقابل اللہ عزوجل آپ کو مجھے مرحمت کیا ہے! فرماتی ہیں: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس قدر غصہ کی حالت میں دیکھا کہ تو میرا دل بھر آیا، میں نے اپنے دل میں کہا: اے اللہ! اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غصہ چلا جاتا ہے تو میں حضرت خدیجہؓ کا برائی سے تذکرہ کبھی نہیں کروں گی، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میری حالت دیکھی تو فرمایا: تم نے یہ کیسے کہہ دیا؟ اللہ کی قسم وہ مجھ پر ایسے وقت ایمان لائیں جب لوگوں نے مجھے جھٹلا دیا تھا، اور مجھے اس وقت ٹھکانہ دیا جب لوگوں نے مجھے ٹھکرا دیا تھا، مجھے انہیں سے اولاد ہوئی جب ان سے میں محروم تھا۔ (اتحاف الخیرۃ المہرۃ بزوائد العشرۃ للبوصیری: ۷/ ۹۲)

حضرت خدیجہؓ کو اللہ عزوجل کا سلام:

ابوزرعہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ یارسول اللہ! یہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ایک برتن لئے آرہی ہے جس میں سالن کھانا یا پینے کی کوئی چیز ہے جب یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پاس آجائیں تو اللہ تعالیٰ کی اور میری طرف سے انہیں سلام کہیے اور جنت میں موتی کے محل کی بشارت دیجئے جس میں نہ شور وشغب ہوگا نہ تکلیف ''لا صخب فیہ ولا نصب'' (بخاری: باب غیرۃ النساء ووجدھن، حدیث: ۳۸۱۷)

جنتی عورتوں کی سرداد:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: '' خیر نساء العالمین مریم، وآسیہ، وخدیجہ بنت خویلد وفاطمۃ'' سارے جہاں کی بہترین عورتوں میں حضرت مریم، آسیہ، خدیجہ بنت خویلد اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنھن داخل ہیں۔ (صحیح ابن حبان، ذکر فاطمۃ الزھراء ابنۃ المصطفیٰ ﷺ، حدیث: ۶۹۵۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''سیدۃ نساء أھل الجنۃ بعد مریم فاطمۃ، وخدیجۃ، وامرأۃ فرعون آسیۃ'' جنت کی سردار عورتوں میں حضرت مریم کے بعد فاطمہ، خدیجہ اور فرعون کی بیوی آسیہ ہیں''۔ (تحفۃ الاشراف بمعرفۃ الأطراف، کریب بن سلم: ۵/ ۲۰۰، حدیث: ۶۳۳۳۸)

حضرت خدیجہؓ کی وفات:

واقدی کہتے ہیں: بنو ہاشم ہجرت سے تین سال قبل شعب ابی طالب سے باہر نکلے، پھر ابوطالب کی وفات ہوئی، ان سے ایک مہینہ پانچ دن پہلے حضرت خدیجہ وفات پا گئیں؛ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ حضرت خدیجہؓ نماز کی فرضیت سے قبل انتقال کر گئیں، یہ رمضان میں وفات پائی اور ''حجون'' (یہ مکہ کی بلندی پر ایک پہاڑ جہاں مکہ والوں کی تدفین ہوتی ہے) میں پینسٹھ سال کی عمر میں دفن ہوئیں۔

دعوتِ فکر وعمل

اپنا ایمان کامل بنانے کی فکر کیجئے

مدیر

بخاری شریف میں باب امور الایمان میں ایک حدیث ہے جس میں ایمان کے ساٹھ سے زائد شعبے بتلائے گئے ہیں، امام مسلمؒ نے باب شعب الایمان میں ایک روایت نقل کی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ ایمان کے ستر سے زائد شعبے ہیں، بعض ائمہ حدیث نے اور بھی روایات نقل کی ہیں، جن میں دیگر عدد کا ذکر آیا ہے۔

شُراحِ حدیث کی تحقیق کے مطابق اس مضمون میں مسلم شریف کی روایت کو کامل وراجح سمجھتے ہوئے اسی کو نقل کررہا ہوں:

عن ابی هريرة ﷺ عن النبی ﷺ قال الايمان بضع وسبعون شعبة، والحياء شعبة من الايمان۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایمان کے ستر سے زائد شعبے ہیں اور حیا (بھی) ایمان کا ایک شعبہ ہے۔

اسی باب کی دوسری حدیث میں یہ اضافہ بھی ہے:

فافضلها قول لا اله الا الله وادناها امامة الاذی عن الطريق۔

(مسلم:۱/۶۳)

(ان شعبوں میں) سب سے افضل واعلیٰ شعبہ (کلمہ طیبہ) لا الہ الا اللہ (محمد رّسول اللہ) کا اقرار کرنا ہے اور ادنیٰ شعبہ راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا ہے۔

مذکورہ بالا حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی کو نفسِ ایمان یعنی تصدیق واقرار کا مرتبہ حاصل ہوجانے کے بعد لازم ہے کہ وہ اس کی تکمیل واتمام کی فکر میں لگ جائے شہادتِ توحید ورسالت کو کافی سمجھ کر اور اسی پر اکتفاء کر کے نہ بیٹھ جائے، کیوں کہ لا الہ الا اللہ اگرچہ ایمان کا سب سے اعلیٰ وافضل شعبہ ہے تاہم اس کے

علاوہ بھی متعدد شعبے ہیں جو عقیدہ وعمل سے ہوتے ہوئے عام اخلاقی تقاضوں تک پہونچ جاتے ہیں اور اُن سب کا حاصل کرنا تکمیل ایمان واسلام کے لئے ضروری ہے؛ محققین کے نزدیک یہ حدیث خلاصۂ دین اور مشہور حدیث جبرئیل کا اجمال ہے؛ ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد افضلها سے ایمان کی جانب اشارہ ہوتا ہے، ادناها کے لفظ سے اسلام کا پتہ چلتا ہے اور حیاء مرتبۂ احسان تک پہونچنے کا وسیلہ ہے'' (مرقاۃ المفاتیح: ۱/۷۰)

یہ حدیث اجمال واختصار کے اعتبار سے جس قدر جامع ہے تفصیل وتشریح کی اتنی ہی محتاج بھی ہے، کیوں کہ ستتر شعبوں میں سے ادنی واعلیٰ ہی کا ذکر کیا گیا ہے، درمیانی پچھتر شعبوں کو اس موقعہ پر شمار کرنا ضروری نہیں سمجھا گیا، جب کہ مختلف مواقع پر اُن سب شعبہائے ایمان کا بیان ہوا ہے، اگر چہ عام مسلمانوں کو مومن ہونے کے لئے اُن سب شعبوں کا علم حاصل کرنا ضروری نہیں ہے اور نہ ہی اُن سب باتوں کے علم پر اس کا ایمان موقوف ہے تاہم اُن پر عمل کرنا تکمیل ایمان کے لئے بہر حال ضروری ہے، پھر اُن میں سے بعض بعض پر فوقیت رکھتے ہیں اور فریضہ لازمہ کے درجے میں ہیں؛ پس معلوم ہوا کہ اُن سب شعبوں کا علم گو ثبوتِ ایمان کے لئے ضروری نہ ہو تکمیل ایمان کے لئے بہر حال ضروری ہے، اسی لئے شارحین حدیث نے اس حدیث کی تشریح کے دوران کوشش کی ہے کہ دیگر ابوابِ حدیث میں سے تلاش کر کے ان شعبوں کو اکھٹا بیان کر دیں، چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی، حافظ بدرالدین عینی، ملاعلی قاری، قاضی بیضاوی اور امام کرمانی وغیرہ رحمہم اللہ نے اس کا اہتمام فرمایا ہے، بعض محدثین نے تو اس موضوع پر مستقل کتابیں بھی تالیف کی ہیں؛ میں حافظ بدر عینیؒ کی ''عمدۃ القاری'' سے ایک طویل عبارت ـــــ جس میں انہوں نے ایمان کے ستتر شعبوں کو شمار کرنے کی کوشش کی ہے ـــــ نقل کرتا ہوں پھر کچھ اور معروضات پیش کروں گا۔

حدیث کے مقتضیٰ پر عمل اگر چہ پورے دین کو اجمالاً قبول کر لینے سے ہو جاتا ہے اور (ایمان لانے کے لئے) ایمان کے ہر ہر شعبے ہر ہر جزو کو اس کے نام کے ساتھ جاننے کے ہم مکلف نہیں ہیں؛ لیکن بعض علماء نے اُن تمام شعبہائے ایمان کو کھوج کر یکجا کرنے کی ہر ممکن سعی کی ہے اور اپنے اپنے اجتہاد ومجاہدے کے مطابق اس سعی میں کامیابی بھی حاصل کی ہے، مثلاً الحلیمیؒ کی ''فوائد المنہاج'' کا، امام بیہقیؒ کی ''شعب الایمان''، امام قرطبیؒ کی ''کتاب النصائح''، ابن حبانؒ کی ''وصف الایمان وشعبہ'' امام سیوطیؒ کی ''النقایۃ'' اور ''اتمام الدرایۃ'' وغیرہ اسی کوشش کا نتیجہ ہیں؛ تاہم ان کتابوں کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ اُن محدثین میں سے کوئی بھی مقصد کے حصول میں پوری طرح کامیاب نہ ہو سکا، کھینچ تان کے ذریعے اور بہت ہی تکلف سے کام لے کر

عدد کو پورا کر دیا ہے؛ اس لئے میں (ذیل میں) کوشش کر رہا ہوں کہ توفیقِ الٰہی سے زیادہ جامع و مانع انداز میں ایمان کے اِن شعبوں کو جمع کروں۔ چناں چہ:

ایمان کی حقیقت تو آدمی کو دل سے تصدیق اور زبان سے اقرار کر لینے سے حاصل ہو جاتی ہے لیکن اُس کی تکمیل کے لئے تصدیقِ قلبی و اقرارِ لسانی کے ساتھ ساتھ اُس کے شعبوں پر عمل کرنا بھی ضروری ہے، اس کے بغیر تکمیل ایمان کی کوئی صورت نہیں ہے؛ ایمان کو کامل بنانے کے لئے جن اعمال کی ضرورت ہوتی ہے وہ تین قسم کے اعمال ہیں، پہلی قسم قلبی و اعتقادی ہے، دوسری لسانی و قولی ہے، اور تیسری بدنی و عملی ہے؛ یہ تینوں اقسام ذیل میں نمبر وار ملاحظہ کیجئے:

● اعمال القلب یا اُمورِ اعتقادیہ (یہ کُل تیس ہیں)

(۱) اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات پر ایمان اور اس کے یکتا و یگانا اور بے مثال ہونے کا یقین، (۲) اللہ تعالیٰ کے علاوہ تمام مخلوقات کے حادث و فانی ہونے پر ایمان، (۳) فرشتوں پر ایمان، (۴) آسمانی کتابوں پر ایمان، (۵) تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان، (۶) تقدیر یعنی خیر و شر کے من جانب اللہ ہونے پر ایمان، (۷) آخرت اور مرنے کے بعد اٹھائے جانے پر ایمان؛ اس میں سوالاتِ قبر، عذاب قبر، حشر و نشر، حساب و کتاب، اور پُل صراط کے برحق ہونے کا یقین شامل ہے، (۸) جنت اور اس کی نعمتوں اور وہاں کے قیام کے دائمی ہونے کا یقین، اسی طرح (۹) جہنم کے وجود، اس کے دوام، اس کے عذابوں اور سختیوں کے برحق ہونے پر ایمان، (۱۰) اللہ تعالیٰ کی محبت، (۱۱) اللہ تعالیٰ کے غیر کے ساتھ محبت یا عداوت کا صرف اللہ تعالیٰ کی نسبت سے ہونا، اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب، ازواج اور راہلِ بیت کی محبت بھی داخل ہے، (۱۲) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت، اتباع، اور درود و سلام کا اہتمام، (۱۳) تمام اعمال میں اخلاص وللّٰہیت کا پیدا کرنا اور ریا و نفاق سے محفوظ رہنا، (۱۴) گناہوں پر ندامت اور توبہ و استغفار کا اہتمام، (۱۵) اللہ تعالیٰ کی خفگی و عقاب کا خوف، (۱۶) اس کے درگذر اور معافی کی اُمید، (۱۷) مایوسی و محرومی کے احساس سے بچنا، (۱۸) اس کی نعمتوں کا شکر بجالاتے رہنا، (۱۹) اس کی آزمائشوں پر صبر کرنا، (۲۰) اس کی اطاعت کا حق ادا کرنا، (۲۱) اپنے اندر تواضع و عبدیت پیدا کرنا، اس میں بڑوں کا احترام و اکرام بھی شامل ہے، (۲۲) شفقت و رحمت کا مزاج بنانا، اسی میں چھوٹوں اور کمزوروں پر رحم کرنا بھی شامل ہے، (۲۳) اللہ تعالیٰ کے فیصلوں سے راضی رہنا اور کوئی شکایت نہ ہونا، (۲۴) اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ رکھنا، (۲۵) عجب و کبر کا ترک کرنا، اسی میں اپنی تعریف کی تمنا بھی داخل ہے، (۲۶) دوسروں کی نعمتوں پر ناراضگی کی وجہ سے اُن کے زوال کی آرزو نہ کرنا، (۲۷) عداوت و خیانت سے

باز آجانا،(۲۸) غصے کے تقاضوں پر عمل سے اجتناب کرنا،(۲۹) کینے سے سینے کو پاک رکھنا، اور ہر قسم کی بدگمانی اور دھوکہ دہی سے بچنا،(۳۰) دنیا کی محبت سے دست بردار ہو جانا، اس میں مال ومنصب کی محبت بھی داخل ہے۔

نوٹ: اعمال القلوب میں کوئی اور مثبت یا منفی بات آپ کے ذہن میں آئے تو مذکورہ اُمور میں غور کرنے سے پتہ چل جائے گا کہ وہ ان تیس میں سے کسی نہ کسی کے تحت موجود ہوگی؛ ان شاء اللہ۔

● اعمال اللسان یا اُمورِ قولیہ۔(یہ سات اعمال ہیں)

(۱) اللہ کی توحید (کلمہ طیبہ) کا زبان سے اقرار کرنا،(۲) قرآن مجید کی تلاوت کرنا،(۳) علم دین کا حاصل کرنا،(۴) علم دین کا دوسروں کو سکھانا، (۵) اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجات کا طلب کرنا اور دعائیں مانگتے رہنا، (۶) اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا، استغفار بھی اسی میں شامل ہے۔ (۷) لغو ولایعنی باتوں سے اجتناب۔

● اعمال البدن یا جسمانی کام (یہ کل چالیس ہیں)

جسمانی طور پر ادا کئے جانے والے ایمانی اعمال کی تین انواع ہیں، نوع اول اعیان کے ساتھ خاص ہے اور وہ سولہ شعبے ہیں۔

(۱) تمام نجاساتِ ظاہری وباطنی سے پاکی حاصل کرنا، جس میں جنابت اور حیض ونفاس سے وضو اور غسل کے ذریعہ پاکی حاصل کرنا نیز کپڑوں اور جگہ کا پاک رکھنا شامل ہے۔(۲) نماز قائم کرنا، اس میں فرض نفل اور قضا نمازیں سب داخل ہیں۔(۳) زکوٰۃ ادا کرنا، خواہ وہ واجب زکوٰۃ ہو یا صدقاتِ نافلہ اور سخاوتِ عامہ ہو، سخاوتِ عامہ میں اکرامِ ضیف (مہمان نوازی) بھی شامل ہے۔(۴) فرض ونفل روزے رکھنا،(۵) فرض ونفل حج اور عمرہ کی ادائیگی۔(طواف بیت اللہ بھی اسی میں شامل ہے) (۶) اعتکافِ مسنون اور لیلۃ القدر کی تلاش، (۷) دین کی خاطر وطن سے ہجرت کرنا اور بے وطن ہونا،(۸) نذر منت وغیرہ کو پورا کرنا،(۹) قسموں کو پورا کرنا،(۱۰) کفاراتِ شرعیہ کی ادائیگی،(۱۱) نماز اور خارجِ نماز میں ستر چھپائے رکھنا،(۱۲) واجب قربانی کرنا اور اگر خود سے نذر کرلی تھی تو اس کو بھی پورا کرنا (نیز غلاموں کو آزاد کرنا) (۱۳) تجہیز وتکفین اور تدفین کا حق ادا کرنا،(۱۴) قرض ادا کرنا،(۱۵) معاملات میں صدق ودیانت کا اہتمام کرنا،(۱۶) حق کے معاملے میں سچی گواہی دینا اور گواہی کو نہ چھپانا۔

اس قسم کی دوسری نوع اتباع سے متعلق ہے اور اس کے چھ اجزاء ہیں؛

(۱۷) نکاح کے ذریعہ پاک دامنی وعفت کا تحفظ،(۱۸) اہل وعیال اور خدام وموالی کی ضروریات کا

تکفل، (۱۹) والدین سے حسنِ سلوک، (۲۰) اولاد کی صحیح تربیت، (۲۱) رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی، یعنی صلۂ رحمی کا اہتمام، (۲۲) امیر المؤمنین اور حاکمِ مسلمین کی اطاعت۔

تیسری قسم عام احکام سے متعلق ہے جو اٹھارہ شعبوں پر مشتمل ہے

(۲۳) عادلانہ حکومت کا قیام، (۲۴) اجماع اور جماعتِ حق کا اتباع، (۲۵) اولوالامر اور علماء کی اتباع، (۲۶) آپس میں صلح وامن کا قیام، اس میں باغیوں سے قتال بھی داخل ہے، (۲۷) نیکی کے کاموں میں نصرت ومعاونت، (۲۸) اچھی باتوں کو پھیلانا اور بُری باتوں سے لوگوں کو روکنا، (۲۹) شرعی سزاؤں ـــ حدود ـــ کا نفاذ، (۳۰) دشمنانِ خدا سے مقابلہ اور اسلامی سرحدوں کی حفاظت، (۳۱) امانات، خُمس کی ادائیگی، (۳۲) التحری بالایمان (۳۳) پڑوسیوں کی عزت وحق شناسی، (۳۴) کسبِ حلال کی سعی، (۳۵) مال کا صحیح مصرف میں صرف کرنا اور اسراف وتبذیر سے احتیاط برتنا، (۳۶) مسلمان کے سلام کا جواب دینا، (۳۷) اس کے چھینک کر الحمد للہ کہنے پر یرحمک اللہ کہہ کر جواب دینا، (۳۸) لوگوں کو تکلیف پہونچانے سے رُکنا، (۳۹) خواہشات کی پیروی سے احتراز کرنا، (۴۰) راستوں سے تکلیف دہ چیزوں کو ہٹا دینا۔ یہ سب اُمورِ ایمان کے کُل ستتر شعبے ہوگئے۔

ایک حدیث میں سبع وسبعون بھی آیا ہے اسی کی رعایت کرتے ہوئے شارح نے کُل شعبہائے ایمان ستتر میں تقسیم کرکے دکھائے ہیں، ورنہ محققین کے نزدیک کسی بھی عدد سے یہاں حصر اور تعیینِ عدد مقصود نہیں ہے بلکہ شعبوں کی کثرت اور مقتضیاتِ ایمان کا تعدُّد وتبلانا مقصود ہے۔ یہ بھی ذہن میں رہے کہ ایمان کے جتنے کچھ شعبے شارح نے اس جگہ جمع کئے ہیں قرآن وحدیث کے مطالعے کے دوران اور بھی سمجھ میں آسکتے ہیں، اس لئے شروع میں بتلایا گیا کہ غور کرنے سے وہ بھی انہیں شعبوں میں سے کسی ایک کے تحت شامل ہوجائیں گے، بہرحال! شعبہائے ایمان کے عنوانات تو اس طرح ہمارے سامنے آگئے، اب ایک دین میں ترقی اور ایمان کی تکمیل کے خواہشمند کو چاہیئے کہ بار بار اِن اُمور کا مطالعہ کرتا رہے، ساتھ ہی ساتھ اپنے اعمال کا جائزہ بھی لیتا رہے، پھر ان صفاتِ ایمانیہ میں سے جس صفت کو اپنے اندر موجود پائے اس پر باری تعالیٰ کا شکر بجالائے تاکہ توفیقِ مزید کا سبب بنے، نیز اس شعبۂ ایمان کی محافظت ومداومت کا دھیان بھی رکھے؛ اور جس صفت سے اپنے کو خالی ومحروم پائے تو فوراً اس کو اپنے اندر پیدا کرنے کی فکر شروع کردے اور اللہ تعالیٰ سے خوب عاجزی وابتہال کے ساتھ دعائیں مانگتا رہے کہ وہ اس صفت کے میرے اندر پیدا ہونے میں مدد فرمائے، کیوں کہ یہ تکمیلِ ایمان کا معاملہ ہے کوئی معمولی مسئلہ نہیں، ہماری زندگی میں ان ایمانی شعبوں کا وجود ہی ہمیں مومن کامل

بنائے گا ورنہ ہمارا ایمان ناقص رہ جائے گا، اور ظاہر ہے کہ کسی آدمی کی محرومی اس سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتی ہے؟

آخر میں حدیثِ مذکور سے متعلق چند علمی نکتے بھی نقل کر دیتا ہوں جو دورانِ مطالعہ نظر سے گذرے۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ حدیث میں جو یہ فرمایا گیا ہے ''الایمان بضع وسبعون شعبة'' تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ نفس ایمان کے اتنے اجزاء ہیں، مطلب یہ ہے کہ ایمان کے ثمرات اور اس کے فروع اتنے ہیں، اس لئے کہ شعبہ کسی اصل کی فرع یا درخت کی شاخوں کو کہتے ہیں، معلوم ہوا کہ ایمان کا اِن شعبوں پر اطلاق مجازی ہے حقیقی نہیں ہے، یعنی یہ شعبے ایمان کے لوازم اور حقوق میں سے ہیں (نفس ایمان کا جزءِ اصلی نہیں)۔

حافظ عینیؒ فرماتے ہیں کہ ایمان ایک ایسی حقیقت کا نام ہے جس کے متعدد اور مختلف شاخیں ہیں، ادنی بھی ہیں اعلیٰ بھی ہیں، نام کا تعلق جیسے کُل سے ہوتا ہے کُل کے بعض سے بھی ہوسکتا ہے، جیسے نماز کہ جو قیام میں ہے اس پر بھی نماز کا اطلاق ہوتا ہے، کہا جاتا ہے کہ فلاں نماز پڑھ رہا ہے جو رکوع میں ہے اس کے لئے بھی نماز ہی بولا جاتا ہے جو سجدے میں ہے اس کے لئے بھی نماز کا لفظ بولا جاتا ہے، اسی طرح اس حدیث میں شعبہائے ایمان کو علی الاطلاق ایمان سے تعبیر کیا گیا ہے، یہ نہیں کہ یہ سارے اعمال حقیقتِ ایمان کا جزو ہوں۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ ستتر شعبوں میں سے سردست نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف اعلیٰ وادنیٰ دو شعبوں کا ذکر فرمایا ہے تاکہ درمیانی شعبوں کی تلاش اور فکر مسلمان خود کرلیں، بعض علماء فرماتے ہیں کہ دونوں میں سے پہلا قولی عبادات سے متعلق ہے، دوسرا فعلی عبادت سے متعلق ہے، یا پہلا شعبہ عملی ہے دوسرا ترکی یعنی ترک کئے جانے والا ہے، مطلب یہ ہے کہ ایک معروف سے متعلق دوسرا منکر سے متعلق ہے، یا ایک کا تعلق ذاتِ باری تعالیٰ عزاسمہ سے ہے دوسرے کا مخلوق کی راحت رسانی سے ہے، یا پہلا حق اللہ سے تعلق رکھتا ہے دوسرا حق العباد سے، یا پھر پہلا باری تعالیٰ کی عظمت کو بتاتا ہے دوسرا مخلوق پر شفقت کو سکھاتا ہے، مختصر یہ اس حدیث میں ایمان کے دو اہم کناروں کو بیان کرکے بقیہ کی اہمیت اُجاگر فرمادی گئی ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قولی وکلامی جامعیت کی نظیر ہے۔

راقم عرض کرتا ہے کہ چوں کہ ہر اول کو آخر سے نسبت ہوتی ہے شاید یہ بتلانا بھی مقصود ہو کہ مومنِ کامل بننا چاہنے والے کو چاہئے کہ وہ اعتقادات وعبادات کی طرح حُسنِ معاشرت ومعاملت کو بھی اہمیت دے، یہ نہیں کہ عقیدہ وعبادت کا تو خوب اہتمام کرے مگر اخلاق وعادات کی طرف کوئی دھیان نہ دے اور مخلوقِ خدا کی اذیت وتکلیف سے بے پرواہو کر زندگی گذارنے لگے، کیوں کہ ایسا کرنے سے مخلوق تو ناراض ہوگی ہی حق تعالیٰ بھی خوش نہ ہوں گے۔ واللہ اعلم

حیا کی تعریف ملا علی قاریؒ اس طرح فرماتے ہیں کہ حیاء انسان کی ایک فطری صفت ہے اور ایک ایمانی خوبی ہوتی ہے، جو فطری حیاء ہوتی ہے وہ عجز و انکسار اور ندم و انفعال کا نام ہے، یہاں وہ مقصود نہیں ہے، یہاں ایمانی حیاء مُراد ہے جو آدمی کو ایمان باللہ کی برکت سے ہر مذموم اور بُرے عمل سے رُکنے پر مجبور کرتی ہے، اسی لئے علماء نے مولائے کریم کی ناپسندیدہ اور منع کردہ حرکتوں سے اجتناب کو حیاء کی حقیقت بتلایا ہے۔

حافظ عینیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث میں حیاء کو ایمان کے ایک خاص شعبے کی حیثیت سے اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ وہ تمام دیگر شعبوں پر اُبھارنے اور جمانے والا شعبہ ہے، جس میں حیاء ہوتی ہے وہ اپنے رب کے اوامر بجالاتا ہے اور منکرات سے اپنے کو بچاتا رہتا ہے؛ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرامؓ کے کسی سوال کا جواب دیتے ہوئے حیاء کی یہی حقیقت بیان فرمائی ہے کہ کہ ''سر اور اس کے متصلہ اعضاء، پیٹ اور اس کے متعلق اعضاء کو معاصی سے محفوظ رکھنا نیز موت اور اس سے جڑی آزمائشوں کو یاد رکھنا حیاء کہلاتا ہے، جس نے اس پر قابو پالیا اسی نے حق تعالیٰ سے حیاء کا حق ادا کرلیا''۔

اب یہ سوال کہ حیاءِ مطلوب اپنے اندر کیسے پیدا کی جائے یا موجود ہے تو اس کا شرعی تقاضے کے مطابق استعمال کیسے کیا جائے تو اس کا جواب جنید بغدادیؒ یہ دیتے ہیں کہ اگر آپ اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی بے پناہ نعمتوں کے فیضان اور اپنی جانب سے اس کی نعمتوں کی ناقدری و ناشکری اور قصورِ بندگی میں غور و فکر کرتے رہیں گے تو فطری طور پر آپ کے اندر ندامت پیدا ہوگی اور پھر اسی ندامت سے حیاء ایمانی پیدا ہونے اور مضبوط ہونے لگے گی۔

یہ عاجز توفیقِ الٰہی سے اس وقت حرمِ مکہ کے مبارک ماحول میں حاضر ہے اور اس مضمون کی تکمیل اسی بابرکت جگہ بیٹھ کر کر رہا ہے، حق تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس عاجز کے ساتھ تمام قارئین کرام پر تکمیلِ ایمان کی فکر غالب فرمادے، اور اس مقام کے حصول میں اپنی نصرت و توفیق شامل حال فرمائے۔ آمین

اصلاحِ معاشرہ

قسط (۲)

اولاد کی تربیت اوران کے نکاح کا مسنون طریقہ

از: مولانا سراج احمد قاسمی*

ماں باپ اور سرپرست خوب اچھی طرح سمجھ لیں کہ نکاح والی فطری ضرورت کو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بتائے طریقے کے مطابق اگر پورا کرنے کا بندوبست نہ کیا گیا تو پھر جس کسی طریقے سے اسے پورا کیا جائے گا اس کے نتائج دنیا وآخرت دونوں میں ہی ماں باپ اور اولاد کے لئے بہت ہی خطرناک ہوں گے، اب باری ہے نکاح کے لئے مناسب رشتہ تلاش کرنے کی تو ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بارے میں بھی ہماری راہنمائی فرمائی ہے، اور اس سلسلہ میں لڑکے اور لڑکیوں کو بالکل آزاد نہیں چھوڑا ہے کہ جہاں چاہیں، جس طرح چاہیں رشتہ کرلیں، اور نہ ہی ماں باپ، سرپرستوں کو پورا پورا اختیار دیدیا ہے کہ وہ ہر حال میں اپنا فیصلہ اپنی اولاد پر لاگو کردیں، بلکہ دونوں کو چاہئے کہ وہ ایک دوسرے کو اعتماد اور بھروسے میں لیں اور آپسی رائے ومشورہ سے اس نازک اور فیصلہ کن مرحلہ کو طے کریں اس سلسلہ میں حسب ذیل ہدایات نبوی کو سامنے رکھنا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہمارے عشق ومحبت کا تقاضہ ہے۔

۱) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب ہمارے پاس تمہارے لڑکیوں کے لئے ایسا شخص پیغام بھیجے جس کی دینداری واخلاق تمہیں پسند آجائے تو تم ان سے شادی کروادو، ورنہ زمین پر فتنہ اور بڑا فساد پھیل پڑے گا۔ (مشکوۃ، کتاب النکاح، فصل ثانی)

ملا علی قاریؒ اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ جب تم اپنی لڑکیوں کا نکاح مالداروں اور اونچے مرتبہ والوں سے ہی کرنے کو لازم کرلو گے تو بہت سی لڑکیاں بغیر شوہر اور بہت سے لڑکے بغیر بیوی کے رہ جائیں گے، اس کی وجہ سے سماج میں زناکاری اور بے شرمی کے کام زیادہ ہوجائیں گے، پھر نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کی بے راہ روی اور اخلاقی بگاڑ کے واقعات سے ان کے بڑوں کو شرمندگی اٹھانی پڑے گی اس طرح سماج میں فتنہ پھیل جائے گا۔

---

* صدر مدرس مدرسہ مدینۃ العلوم صدرنا گپور

۲) وعن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ تنکح المرأۃ لاربع لمالھاولحسبھا و لجمالھا ولدینھا فاظفر بذات الدین تربت یداک (متفق علیہ مشکوۃ کتاب النکاح) حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورت سے نکاح کے وقت ان چار چیزوں میں سے کسی ایک کا خیال کیا جاتا ہے، مال، جمال، حسب دین (اے نکاح کا ارادہ رکھنے والے شخص) تو دیندار عورت کو پا کر کامیابی حاصل کرلے۔

۳) ما استفاد المؤمن بعد تقوی اللہ خیر لہ من زوجۃ صالحۃ مؤمن اللہ سے تقویٰ کے بعد نیک بیوی سے زیادہ کسی اور چیز سے فائدہ حاصل نہیں کرتا (مشکوٰۃ)

۴) من اراد ان یلقی اللہ طاھرا مطھرا فلیتزوج الحرائر جو شخص اللہ سے پاکدامن ہو کر ملنا چاہے اس کو شریف عورت سے نکاح کرنا چاہئے (ابن ماجہ)

۵) عورت سے صرف اس کی مال داری کی وجہ سے شادی نہ کرو، ہوسکتا ہے اس کا مال اس کو تمہارا باغی بنادے، اور نہ محض خوبصورتی اور حُسن کی بنیاد پر شادی کرو، ہوسکتا ہے کہ اس کے حسن کا گھمنڈ تمہیں ہلاکت میں ڈال دے، کالی کلوٹی کم سمجھ لڑکی تمہارے لئے صاحب حیثیت بے دین عورت سے بہت بہتر ہے۔ (ابن ماجہ)

آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کی روشنی میں لڑکیوں کے رشتہ کے لئے صرف مال، بڑی تجارت اور اونچی ڈگریاں، اچھی ملازمتیں ہی نہ دیکھیں جائیں، دین، اخلاق، شرافت اور ایمانی تقاضوں کی پابندی کو بھی دھیان میں رکھا جائے، نیز مسلمان لڑکوں کی مائیں بہوئیں تلاش کرتے وقت چہرے کی گولائی ولمبائی، پیشانی کی اونچائی قد کی لمبائی وچھوٹائی، رنگ کی کمی زیادتی، آنکھوں کی نفاست، دانتوں کی چمک وہمواری، بالوں کا لمبا اور گھنا ہونا، علمی قابلیت شوخی اور ذہانت ہی کو پسند کرنے کا معیار نہ بنائیں، بلکہ نماز روزہ اور پردہ کی پابندی، بڑوں کا اکرام واحترام، فرمانبرداری کا جذبہ، گفتگو کی نرمی وغیرہ قابل قدر ولائق فخر امور کو دیکھ کر بہو پسند کریں، اسی میں آپ کے لئے اور آپ کی اولاد کے لئے بڑی خیر خواہی ہوگی کہ آئے دن کے جھگڑوں سے بچ کر دین ودنیا کی بھلائیوں سے فائدہ اٹھانے والے بنیں گے۔

جب کسی لڑکے یا لڑکی کا نکاح کا ارادہ ہو تو نکاح کا پیغام دینے سے پہلے ماں باپ سرپرست ایک دوسرے کے حالات، عادات وغیرہ کی معلومات کرلیں، مرد کو عورت میں دیکھنا چاہئے کہ وہ دینداری، حسب نسب (عزت وقار) حسن وجمال، نیک مزاجی وخوش اخلاقی میں اپنے سے زیادہ ہو اور مال ودولت زور وقوت، قدوقامت اور عمر میں کم ہو (اس کا فائدہ یہ ہے کہ وہ اپنے شوہر کو حقیر نہ سمجھے گی اور اگر ان باتوں میں شوہر کے

برابر یا زیادہ ہوگی تو اس کو حقیر سمجھے گی اور پورے طور پر اطاعت نہ کرے گی) اگر کسی لڑکے اور لڑکی کے ماں باپ نہ ہوں اور کوئی ولی وسرپرست بھی نہ ہو تو دینی احکام اور شرم وحیا، عفت و پاکدامنی کا لحاظ کرتے ہوئے ایک دوسرے کے بارے میں از خود تحقیق ومعلومات کر سکتے ہیں، لڑکے کو نکاح کا پیغام بھیجنے سے پہلے لڑکی کو دیکھ لینے کی ہدایت حدیث شریف میں دی گئی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی جب عورت کو پیغام نکاح دے اور وہ اس چیز کے دیکھنے پر قدرت رکھتا ہو جو اس عورت سے نکاح کا سبب بن رہی ہے تو اس کو ایسا کرنا چاہئے۔ (مشکوۃ، کتاب النکاح)

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی شادی کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس عورت کو دیکھ لو اس لئے کہ یہ آپسی تعلقات کو درست رکھنے کے لئے بہت مناسب ہے۔

(ترمذی باب ماجاء فی النظر الی المخطوبہ)

ان احادیث کی روشنی میں ائمہ اربعہ اور جمہور علماء نے پیغام نکاح سے پہلے مرد کے لئے عورت کو دیکھ لینا مستحب کہا ہے، امام نوویؒ لکھتے ہیں شوافع کے نزدیک شادی کا پیغام بھیجنے سے پہلے اور کسی خاص اہتمام کیے بغیر دیکھا جائے تاکہ اگر پسند نہ آئے تو کسی کو تکلیف دیئے بغیر معاملہ ختم ہو جائے، بخلاف اس صورت کے پیغام نکاح دینے کے بعد یا اہتمام واطلاع کر کے دیکھا جائے اور پسند نہ آنے پر چھوڑ دیا جائے، نیز اگر مرد کے لئے خود دیکھنا ممکن نہ ہو تو کسی ایسی عورت کو دیکھنے کے لئے بھیجا جائے جس پر مکمل اعتماد اور پورا بھروسہ ہو تاکہ وہ آکر صحیح صحیح خبر دے، ضروری ہے کہ یہ سب نکاح کی بات چیت کرنے سے پہلے ہو، اور کسی کی دل شکنی نہ ہو اس کا بہت لحاظ رکھا جائے، حضرت مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنویؒ علم الفقہ حصہ ششم میں لکھتے ہیں کہ جس عورت سے نکاح کرنا چاہے اس کو خود دیکھ لے بشرطیکہ یہ یقین ہو کہ میں اگر اس کو پیغام دوں گا تو منظور ہو جائے گا (شامی جلد ۳ صفحہ ۲۸۴) نیز حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ خود دیکھنا اس اس وقت مسنون ہے جب کہ اور کوئی صورت اس کے حال دریافت کرنے کی ممکن نہ ہو۔

افسوس کہ ہمارے زمانہ میں اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان ویقین رکھنے کا دعویٰ کرنے والوں نے لڑکی دیکھنے دکھانے کے نام پر جو رویہ اختیار کر رکھا ہے وہ قرآن وسنت کی ہدایت کے بالکل الٹا اور خلاف ہے، دو دو، تین تین، چار چار درجن گھروں میں جا کر لڑکیاں دیکھنے کا کام کرتے ہیں اور معمولی معمولی بات کی وجہ سے پسند نہ آنے کی خبر بھجوا دیتے ہیں، یہ ذرا بھی نہیں سوچتے کہ اس تماشے کے لئے جن لڑکیوں کو بار بار سجنا سنورنا پڑتا ہے، ان کے دل پر اور ان کے ماں باپ کے دل کے اوپر کیا کچھ گزرتی ہوگی، بڑی بے غیرتی اور گناہ کی بات تو یہ ہے

کہ دیکھنے کے لئے مردوں عورتوں کا ملا جلا پورا ایک ٹولہ جاتا ہے، عورتیں لڑکی دیکھیں تو کوئی حرج نہیں مگر اس ٹولے میں شامل جتنے مرد ہوتے ہیں، وہ سب بھی لڑکی دیکھتے ہیں، جب حدیث شریف میں صرف نکاح کا ارادہ رکھنے والے مرد کو دیکھنے کی اجازت دی گئی ہے، بہر حال یہ سب ہو رہا ہے، پھر بھی ان کے ایمان و اسلام اور دینداری میں کچھ فرق نہیں پڑتا۔

مستحب یہ ہے کہ پیغام نکاح بھیجنے سے پہلے دولہا یا اس کا ولی نماز استخارہ پڑھ لے پھر پیغام بھیجے، ایسے ہی دلہن کا ولی یا خود دلہن نماز استخارہ پڑھنے کے بعد پیغام کو منظور کرے، جب رشتہ منظور ہو جائے تو دونوں کی طرف کے ذمہ دار اپنی سہولت اور موقع کی مناسبت وغیرہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے کسی بھی مہینہ کی کوئی بھی تاریخ اور دن نکاح کے لئے مقرر کر لیں، مستحب ہے کہ جمعہ کا دن ہو، شریعت اسلام میں کوئی دن تاریخ اور مہینہ منحوس نہیں ہے اور نہ ہی اس سے کچھ نفع و نقصان پہنچنے کا کوئی خطرہ ہے، نفع یا نقصان پہنچنے نہ پہنچنے کا سارا اختیار اللہ کے ہاتھ میں ہے، نکاح کے لئے جگہ کے طور پر مسجد کا انتخاب کیا جائے کیونکہ حدیث میں ہے عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت: قال رسول اللہ ﷺ اعلنوا هذا النكاح واجعلوا في المساجد (رواہ الترمذی مشکوۃ، باب اعلان النکاح) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ان نکاحوں کا اعلان کیا کرو اور انہیں مسجدوں میں کیا کرو۔

علماء کرام لکھتے ہیں مجلس نکاح میں دونوں طرف کے احباب و رشتہ دار اور نیک صالح لوگ شریک ہوں، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہؓ کے نکاح کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بکری ذبح کروا کے کھانے کا انتظام فرمایا، حبشہ کے بادشاہ نے حضرت ام حبیبہؓ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نکاح کرا دیا تو مجلس نکاح میں شریک لوگوں کو کھانا کھلایا اور اسے سنت انبیاء ہونا کہا، اس لئے حسب استطاعت لڑکی والوں کی طرف سے کھانا کھلانا مباح ہے، مالداروں کو اللہ نے بڑی گنجائش دی ہے وہ اس موقع پر بہت کچھ کر سکتے ہیں اور کر بھی رہے ہیں اُن سے درخواست ہے کہ سادگی کا اور بیٹی والے غریب ماں باپ کا خیال رکھیں، لڑکے والوں کا کھانے کا مطالبہ کرنا اور بارات وغیرہ لانا شریعت سے ثابت نہیں ہے، مہر نکاح، خطبہ (پیغام نکاح) ایجاب و قبول، ولیمہ، خطبہ نکاح، طلاق، خلع، عدت وغیرہ سب عربی الفاظ ہیں، بارات نہ خود عربی لفظ ہے اور نہ ہی عربی لغات میں اس کے لئے کوئی لفظ ہے، نیز اردو میں بھی اس کا کوئی صحیح ترجمہ نہیں ہو سکتا ہے، دولہن کے والد یا ولی اگر خطبہ پڑھ سکتے ہیں ایجاب و قبول کرا سکتے ہیں تو سنت ہے کہ وہ خود ہی یہ کاروائی انجام دیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی صاحبزادیوں اور خصوصاً حضرت فاطمہؓ کے نکاح کی کاروائی خود ہی انجام دی ہے، اگر خود نہ کر سکیں تو پھر کسی اور سے نکاح پڑھوائیں، محض نکاح پڑھانے کے لئے دوسرے شہر سے کسی عالم یا بزرگ کا بلانا مسنون

نہیں ہے۔خطبہ پڑھنا سنت ہے اور حاضرین پر اس کا سننا واجب ہے (نہ سننے پر واجب چھوڑنے کا گناہ ہوگا) یہی حکم تمام خطبوں کے سننے کا ہے چاہے وہ خطبہ سنت ہو یا واجب، حاضرین پر اخیر تک اس کا سننا واجب ہے (طحاوی شرح مراقی الفلاح صفحہ ۴۱۳)

مستحب ہے کہ نکاح میں وکیل اور گواہ پرہیز گار دیندار لوگوں کو بنایا جائے، فاسق اور امور شرع کی پابندی نہ کرنے والوں کو نہ بنایا جائے (امام شافعیؒ کے یہاں نکاح میں فاسق کی گواہی کا اعتبار نہیں، اگر اپنے مسلک کا کوئی امر مکروہ لازم نہ آئے تو دوسرے امام کے مسلک کی رعایت کرنا مستحب ہے) (علم الفقہ، جلد ۶)

مہر اپنی گنجائش کے مطابق طے کیا جائے، بہت مناسب ہوگا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیٹیوں کا جو مہر مقرر کیا ہے ان میں سے کسی کو اختیار کر لیا جائے، انشاء اللہ برکت ہوگی، مہر نقد دیا جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی بیویوں کو مہر نقد دئے ہیں اور اپنی بیٹیوں کا مہر نقد لئے ہیں، حضرت عائشہؓ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نکاح ہجرت سے پہلے مکہ میں ہوا، مدینہ ہجرت کرنے کے بعد ۲۰ ھ ابوبکر صدیقؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی زوجہ کی رخصتی کیوں نہیں کراتے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ ابھی میرے پاس مہر دینے کا انتظام نہیں ہے، حضرت ابوبکرؓ نے آپ کو قرض دیا، جس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہر ادا کیا اور حضرت عائشہؓ کو رخصت کرا کے لائے، ام حبیبہؓ سے حبشہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نکاح ہوا تو حبشہ کے بادشاہ نے مجلس نکاح کے اندر اپنے پاس سے مہر کی رقم فوراً ادا کی، البتہ بہت مجبوری ہو تو مہر ادھار بھی طے کیا جا سکتا ہے جیسا کہ دوسری ضروریات کے لئے مجبوری میں قرض لیا جاتا۔

جب نکاح کی کاروائی مکمل ہو جائے تو چھوہاروں کا ایک طبق لٹا دینا سنت ہے اور رشتہ دار دوست احباب، شرکاء مجلس زوجین (میاں بیوی) اور ان کے اولیاء و سرپرستوں کو مبارک دیں، ''اللہ تم کو یہ نکاح مبارک کرے اور موافقت و بھلائی کے ساتھ تم دونوں کو جمع رکھے'' مبارکبادی دینا مستحب ہے (علم الفقہ جلد ۶) ''شب زفاف'' یعنی میاں بیوی کے یکجا ہونے کی رات کے بعد سنت مؤکدہ ہے کہ شوہر اپنی گنجائش و حیثیت کے مطابق رشتہ داروں، دوست احباب، پاس پڑوس کے لوگوں کو دعوت ولیمہ کھلائے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہر نکاح کے بعد اس کا اہتمام کیا ہے اور صحابہؓ کو تاکید فرماتے رہے ہیں، حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ سے شب عروسی کے بعد ولیمہ کیا ہے۔

نکاح میں جتنے کام نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت سے ثابت ہیں ان کو مختصر طور پر لکھنے کی کوشش کی گئی ہے لہذا ان کی پابندی کی جائے، بہت بابرکت ہیں وہ نکاح جن میں مسنون طریقہ کے علاوہ اور کوئی رسم و رواج کی پابندی نہ کی

جائے، افسوس کہ نکاح جیسا پاکیزہ معاملہ ہمارے ملک میں ملکی رواج اور برادران وطن کے رسم ورواج سے محفوظ نہیں رہا، ان رسومات اور غیر ضروری پابندیوں نے اسلام کی ایک سادہ اور بے تکلف تقریب پر بڑا موٹا پردہ ڈال دیا ہے اور انتہائی سہل وآسان معاملہ کو مشکل بنا دیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہؓ کے زمانہ میں نکاح کی جو اصلی صورت تھی اُسے اگر کوئی دیکھنا چاہے تو وہ صرف کتابوں میں دیکھ سکتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے عمل شاذ ونادر ہی دیکھ سکے، افسوس ہزار بار افسوس! کیسے مسلمان ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امتی اور نام لیوا ہیں کہ وہ اپنی عبادات اور اپنے معاملات میں دوسروں کی گھڑی ہوئی رسومات کو ملا لئے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کو چھوڑ کر غیروں کی رسم اختیار کر کے اپنا دل خوش کر رہے ہیں، جب کہ دنیا کی بڑی بڑی مہذب وتعلیم یافتہ قومیں قرآن وسنت کے حکمت پر مبنی اور بے تکلف احکامات سے نام لئے بغیر سبق لے رہے ہیں، لہذا سچے مسلمانوں کو چاہئے کہ عبادات اور اپنے معاملات میں ہرگز ہرگز دوسروں کے رسم ورواج اور علاقائی طور طریقوں کو داخل نہ ہونے دیں، شاید ہم ہندوستانی مسلمانوں نے نکاح وشادی کو ایک جشن مسرت، تفریح اور زندہ دلی کا موقع سمجھ رکھا ہے، جب کہ یہ نماز ودیگر عبادات کی طرح اللہ سے نزدیکی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے اور بہت بڑی عبادت ہے کیونکہ اللہ نے اس کا حکم دیا ہے اور اپنی کتاب میں اس کے اصول وضابطے بیان کئے ہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے قول وعمل سے اس کی وضاحت کی ہے، حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے علاوہ تمام انبیاء کرام علیہ السلام کا نکاح کئے ہیں، نکاح کی ایک حیثیت معاملہ کی بھی ہے اس کے ذریعہ ایک لڑکا اور لڑکی کے درمیان کچھ معاملات طے پاتے ہیں، پھر ان کے توسط سے دونوں خاندانوں کے افراد نیز اس نئے جوڑے سے پیدا ہونے والی اولاد کے شرعی اعتبار سے کئی حقوق ایک دوسرے پر لاگو ہوتے ہیں جن کی ادائیگی لازم ہوتی ہے۔

بہر حال! نکاح جب ایک معاملہ ہونے کے ساتھ ساتھ عبادت اور تقرب الٰہی کا ذریعہ ہے تو جیسے نماز، روزہ، حج وعمرہ، زکوٰۃ صدقات کے احکام ومسائل علماء سے معلوم کئے جاتے ہیں، نکاح کے مسائل بھی علماء سے سیکھے اور معلوم کئے جائیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو سچا مسلمان بنائے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، رسوم ورواج سے دور رہنے اور بچنے کی قوت وہمت عطا کرے۔ آمین

اصلاحِ معاشرہ

سحر اور اس کے شرعی احکام

از: مفتی شیخ آصف علی سعید قاسمی*

سحر اور ساحر کون ہیں؟ جواز روئے شرع کا فر ہیں، سحر میں رائج خبیث اعمال اور اس کے بھاری نقصانات، کسی کے سحر سے بچنے یا متاثر ہونے کے بعد خلاصی پانے کے لئے شرعی علاج وغیرہ وہ امور ہیں جن کو جاننے کی ضرورت ہے۔ چناں چہ

سحر لغت میں ایسی چھپی ہوئی چیز کا نام ہے کہ اس کے مخفی ہونے کی وجہ سے ذہن اس کا ادراک نہ کر سکے، سحر غیر مشروع کی تعریف علامہ بیضاویؒ نے اس طرح فرمائی ہے کہ سحر؛ وہ علم جس کو سیکھنے کے لئے انسان، شیطان وخبیث مخلوقات سے قریب ہو اور جس حد کی شرارت وخباثت نفس سے شیاطین انسانوں سے قریب آتے ہیں اس کو اختیار کرے تا کہ ان سے قریب ہو کر تاثیر کے اُن مخفی اسباب کو جان لے اور ان کو قابو میں کر لے، چاہے اس حد تک پہنچنے میں کفریہ اور فحش کلمات بولنے پڑیں اور شیاطین سے مدد چاہنی پڑے؛ اس طریقہ کا جادو کرنا اور کروانا دونوں گناہ کبیرہ اور قطعاً حرام ہے، چاہے مقصد علاج ہو کہ دوسروں کو نقصان پہونچانا؛ کیونکہ یہ شرک ہے مگر شرک اکبر نہ ہونے کی وجہ سے مشرک نہ ہونگے کیونکہ سحر نا مشروع میں شیاطین سے مدد طلبی اور کلمات کفر کہنا وغیرہ جو ساحر کرتا ہے وہ انہیں صرف سبب مانتا ہے؛ تا کہ انہیں اختیار کرے اور اپنا الو سیدھا کرے وہ کلمات کفر و فحش کے تلفظ سے صرف شیاطین کو راضی کرتا ہے جبکہ اس کا قلب ایمان پر ہی مطمئن ہوتا ہے، نہ وہ شیاطین کو مؤثر حقیقی خیال کرتا ہے نہ ان کلمات کفر پر اس کا اعتقاد ہوتا ہے۔ ہاں اگر کوئی شیاطین کو مؤثر حقیقی سمجھے اور کلمات کفر پر اس کا اعتقاد بھی ہو تو وہ صد فی صد مشرک اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

سحر مشروع وہ ہے جس کا طریقہ شریعت سے منحرف نہ ہو اور اس کی غرض فاسد نہ ہو مثلاً یہ کہ اپنے عمل سے سحر زدہ کا علاج کرے، زوجین میں مصالحت ورفع نزاع کرے اور اس میں شیاطین سے مدد نہ چاہے اور نہ ہی وہ کلمات کہے جو انہیں پسند ہیں اور اس کا سیکھنا سکھانا بھی جائز ہے علامہ ابن عابدین اس کے جواز میں لکھتے ہیں:

السحر حق عندنا۔۔۔۔ وھو حرام لیفرق بی بین المرأۃ وزوجھا و جائز لیوفق بینھما (۱/۱۳۴)

---

*استاذ شعبۂ عالمیت ادارہ ہذا

سحر کا متبادل علاج: قدیم زمانہ سے سحر و ساحرین کا وجود رہا ہے، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ فرعون کے ساحروں نے جو محاربہ کیا اسمیں انہوں نے سحر و تخیل (نظر بندی) سے کام لیا تاہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی سے ان کے سب سانپ تھام لئے گئے اس طرح حق ہی اثر انداز ہوا اور باطل کا داؤ چل نہ سکا۔ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ، خدا تعالیٰ فرماتے ہیں وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ کہ ساحر اپنے سحر سے نقصان تب ہی پہنچا سکے گا جب اللہ خود نقصان پہنچانا چاہیں! اور نفع و نقصان کے پہنچانے کے مقصد کو بتاتے ہوئے خدا تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً کہ ہمارا مقصد نفع نقصان سے بندوں کو آزمانا ہے کہ کون شکر گذار ہے اور کون ناشکرا ہے، اور اللہ تعالیٰ ساحرین کی قباحتِ شان پر آگے ارشاد فرماتے ہیں: وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۫ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ ترجمہ: اور ضرور وہ (یہودی) بھی اتنا جانتے ہیں کہ جو شخص اس کو اختیار کرے ایسے شخص کا آخرت میں کوئی حصہ (باقی) نہیں ہے اور بے شک بری وہ چیز (یعنی سحر و کفر ہے) جس میں وہ لوگ اپنی جانیں دے رہے ہیں کاش ان کو اتنی عقل ہوتے۔

صحیحین کی روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں سات ہلاک کرنے والے کاموں سے بچو! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شرک کے بعد سب سے پہلے سحر ہی کو ذکر فرمایا کیونکہ ساحر شیاطین کا قرب پانے کیلئے انہیں سجدہ کرتا ہے اس کے لئے نذر مانتا ہے اور جانور ذبح کرتا ہے جو کہ شرک ہے اور چونکہ ساحر کا ہر عمل کفر ہوتا ہے چاہے وہ شیطانی تائیدات سے کرتا ہو یا تخیل سے جسے نظر بندی کے نام سے جانا جاتا ہے جو سحر ہی کی ایک نوع ہے جس میں اشیاء کو ان کی حقیقتوں کے برعکس دکھایا جاتا ہے؛ جیسا کہ فرعون کے جادوگروں نے رسیوں کو دوڑتے ہوئے سانپوں کی ہیئت میں دکھایا تھا! قرآن نے بھی اس کو تخیل (یعنی نظر بندی) کے لفظ سے تعبیر کیا ہے لہذا ہم مسلمانوں کو اس طرح کی غیر طبعی باتیں دکھلا کر پھانسنے سے ان کے جال میں پھنسنا نہ چاہیے کیونکہ ان کے اس سحر و تخیل کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہلاک کن عمل بتلایا ہے اور اس آیت پر اپنا ایمان تازہ کر لینا چاہئے: قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ؕ کہ آسمان و زمین کی کوئی مخلوق غیب نہیں جان سکتی۔ اور جن بعض افراد کو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ متأثر آدمی اور اس کی ماں کا نام معلوم کر کے پیش آمدہ سارے حالات بتا دیتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہوتی ہیکہ جو شیطان ساحر کے لئے مسخر رہتا ہے وہ پیش آمدہ واقعات کو ساحر تک پہنچانے پر مامور رہتا ہے یا مریض کے گھر کا پتہ معلوم کیا جاتا ہے اور اپنے مؤکلین سے وہاں کے حالات معلوم کئے جاتے ہیں ان باتوں سے بے خبر مریض مزید بدعقیدگی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

پس قوم مسلم کی ذمہ داری ہے کہ وہ ساحروں کاہنوں کے خرافات وتلبیسات سے یکسو ہوکر ایک خدا پر اپنا ایمان مضبوط کرے اوراد واذکار شرعیہ کو جان کر پابندی سے ان پر کاربند رہیں اسلئے کہ باری تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ﴿۳۶﴾ (اور جو شخص اللہ کی نصیحت (یعنی قرآن سے) اندھا بن جائے ہم اُس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں، سو وہ ہر وقت اس کے ساتھ میں رہتے ہیں (سورۂ زخرف:۳۶) اور اگر آپ کو کوئی وسوسہ شیطان کی طرف سے آنے لگے تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجئے چنانچہ چند شرعی نسخے ذکر کئے جارہے ہیں جو ہم سب کیلئے غیر مشروع اور حرام طریقۂ علاج کے متبادل ہیں جن پر عمل کرنے سے نہ صرف ہمارا ایمان سالم رہے گا بلکہ ہماری حفاظت وامان کے نگہبان خود ملائکہ رحمٰن ہوں گے!

(۱) صحیح بخاری فضائل القرآن (۵۰۱۰) کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جو آدمی سورۃ البقرہ کی آخری دو آیتیں رات میں پڑھ لے تو رات بھر اس سے ہر قسم کے شر کو دفع کرنے کیلئے یہ آیتیں کافی ہوں گی۔

(۲) سنن ابو داؤد باب الصلوۃ (۱۴۹۳) کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو سورۂ اخلاص (قل هو الله احد) اور معوذتین (سورۃ الفلق اور سورۃ الناس) صبح وشام اور سوتے وقت میں ہر دفعہ تین تین بار پڑھے پھر ہتھیلیوں میں پھونک کر بدن پر پھیر لے یعنی بدن کے جس حصہ تک جھاڑ سکتا ہے جھاڑ لے تو یہ سورتیں اسکو ہر شر سے کافی ہو جائیں گی؛ جس وقت آپ ﷺ پر جادو کا حملہ ہوا تو آپ ﷺ اس کے اثر سے بے چین رہا کرتے تھے؛ آپ کو خیال ہوتا کہ میں نے فلاں کام کرلیا ہے جبکہ آپ نے وہ کام نہ کیا ہوتا، اس طرح کے تخیلات سے جب آپ دوچار تھے، تو اللہ تعالیٰ نے معوذتین کو نازل فرمایا چنانچہ آپ ﷺ سورۂ اخلاص کے ساتھ ان دونوں کو بھی پڑھ لیا کرتے تھے تب آپ ﷺ سے وہ ساری کیفیات دور ہوئیں اور اللہ نے آپ کو عافیت بخشی؛ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا بھی کہ ماتعوذ متعوذ بمثل هاتين السورتين یعنی استعاذہ طلبی؛ اور شرِ انس وجن سے شفاء یابی کیلئے ان دونوں کی طرح تاثیر والی کوئی اور سورت نہیں ہے۔

(۳) اسی طرح اثرات جن وانس، سمائی وارضی مخلوق کی ضرر رسانی سے بچاؤ کیلئے کلمات اللہ سے استعاذہ بھی اسباب شرعیہ میں سے ہے؛ صحیح مسلم باب الذکر والدعاء والتوبة والاستغفار (۲۷۰۸) میں روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو کسی جگہ پڑاؤ ڈالے پھر یہ دعاء پڑھ لے اعوذ بكلمات الله التامات من شر ما خلق؛ تو جب تک وہ وہاں ٹھہرا ہوا ہوگا کسی طرح کی کوئی مخلوق اسے کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتی اور جب کوئی تین بار اسے پڑھ لے تو مزید اس کی حفاظت وصیانت کامل ہوگئی۔

اس روایت کے بعد ایک واقعہ بھی منقول ہے کہ ایک صحابیؓ نے آپ ﷺ سے بچھو کے ڈسنے کی

شکایت کی اور کہا: یارسول اللہ! کل رات بچھو کے ڈسنے سے مجھے تکلیف ہوئی؛ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم شام کے وقت یہ دعاء پڑھ لیتے تو یہ ہوتا ہوا نہ دیکھتے۔

(۴) سنن ترمذی باب الدعوات (۳۳۸۸) میں روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو تین مرتبہ صبح وشام یہ دعاء پڑھے وہ ہر شر سے محفوظ ہے! بسم اللہ الذی لا یضر مع اسمہ شئی فی الارض ولا فی السماء وھو السمیع العلیم

(۵) سب سے بڑھ کر یہ کہ قرآن کی تلاوت کی کثرت رکھے اسلئے کہ وہ خدا کا نور اور مخلوق کیلئے ہدایت نامہ ہے ہر خیر کی راہنمائی اور ہر شر سے آگاہی اس کا کام ہے، اور اللہ تعالیٰ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم بھی دیا کہ وہ لوگوں کو بتادیں کہ یہ قرآن ہدایت ورحمت بھی ہے اور امراض وشرور کیلئے شفاء بھی ہے تاکہ رات دن لوگ اس کی تلاوت کے ذریعہ ایمان میں اضافہ اور صحت کا نفع حاصل کریں، قرآن کی کثرتِ تلاوت کا ایک فائدہ وہ بھی ہے جسکا ذکر صحیح مسلم (۷۸۰/۶) کی روایت میں ہے اقراءوا القرآن فانہ یاتی یوم القیامۃ شفیعا لاصحابہ، کہ بروز قیامت قرآن اپنی بکثرت تلاوت کرنے والوں کی شفاعت کرے گا!

(۶) عجوہ کھجور سے جادوئی عمل وغیرہ کا علاج: صحیح بخاری (باب الطب: ۵۷۶۸) میں ہیکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو صبح سات عدد مدینہ کا عجوہ کھجور کھائے گا تو اسے جادوئی عمل یا کسی زہریلے جانور کا زہر مضر نہیں ہوگا۔ صحیح مسلم (کتاب الاشربۃ: ۲۰۴۷) میں من عجوۃ المدینہ کے بجائے ممالا بیتھا کا لفظ آیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مدینہ کا جو بھی کھجور کھائے چاہے عجوہ ہو یا غیر عجوہ، سحر وزہر کے شر سے وہ بچا رہے گا۔

پس مقصود شریعت کا یہ نہیں کہ انسان شفاء وعلاج کے حرام ذرائع اختیار کرے اور نہ یہ ہیکہ شریعت پر تو عمل نہ کرے صرف شرعی اوراد وتعوذات پر عمل کرتا چلا جائے بلکہ مقصود شریعت کا یہ ہیکہ انسان خدا اور رسول کی اطاعت دین پر استقامت، گناہوں سے کلی اجتناب کے ساتھ اوراد وادعیہ اور جائز جھاڑ پھونک وغیرہ کو بھی اختیار کرے کیونکہ شریعت پر عمل کے بغیر سب فضول ہے۔

اخیر میں یہ بتادینا ضروری ہیکہ اگر کوئی مومن ایمان کے واجبی تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے جائز جھاڑ پھونک کو اختیار کرکے شفایاب نہ ہوسکے پھر اس کا نفس اس کو کسی غیر مشروع طریقہ کی سجھائے تو اس کو حرام طریقۂ علاج کی طرف قدم بڑھانے کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ اگر اس کو شفا مقدر ہوتی تو ضرور حلال چیزوں سے حاصل ہوتی کیونکہ اللہ نے کوئی علاج حرام چیزوں میں رکھا ہی نہیں ہے!

(بقیہ صفحہ: ۶ پر)

تعاقب فرق باطلہ (۲)

وعدہ اور وعید

از: مولانا محمد کبیر الدین قاسمی*

وعدہ اور وعید کے بارے میں اہل السنۃ والجماعۃ کا موقف اور دلیل گذشتہ شمارہ میں گذر چکے ہیں، معتزلین کا موقف ان سے جداگانہ اور غیر واجبی ہے، معتزلین کے نزدیک وعدہ اور وعید کی حقیقت یہ ہے کہ غیر کو ایسی خبر دینا جو اس کو مستقبل میں نفع پہونچانے یا اس سے ضرر و نقصان دور کرنے کو شامل ہو وہ خبر وعدہ کہلاتی ہے اور ایسی خبر دینا جو اس کو مستقبل میں ضرر پہونچانے اور اسے منفعت روکنے کے متعلق ہو وہ وعید کہلاتی ہے۔

چنانچہ اہل اعتزال کا اعتقاد یہ ہے کہ اللہ جل جلالہ نے نیکوکاروں اور اطاعت گذاروں کے لئے جس ثواب کا وعدہ کیا ہے نیکوکار اور اطاعت گذار اس ثواب کا حق دار ہے کیوں کہ وہ ثواب نیک عمل کا بدلہ اور اجرت ہے اور اللہ تعالیٰ پر ثواب دینا واجب ہے، اسی طرح کافروں اور نافرمانوں کے لئے جس عقاب کی وعید سنائی ہے وہ کافر اور نافرمان اس عقاب کا مستحق ہے کیوں کہ وہ سزا عملِ بد کا بدلہ اور عوض ہے اور اللہ رب العزت پر ان کو سزا دینا واجب ہے، یہاں پر توقف کر کے یہ ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کہ جہنم کے سزاوار دو طرح کے افراد ہوں گے ایک کافر و مشرک، ان کے لئے تو خلود فی النار (یعنی جہنم میں قیام ہمیشہ کے لئے) ہوگا ان کے لئے وعید کے واقع ہونے میں کوئی خلاف نہیں ہے دوسرے مومن عاصی یہ لوگ اگر جہنم میں جائیں گے بھی تو ان کے لئے خلود فی النار نہیں ہوگا بلکہ اللہ رب العزت جس قدر سزا مقدر فرمائیں گے اس قدر سزا بھگتنے کے بعد جہنم سے باہر نکال لئے جائیں گے، ایسے لوگوں کے لئے جو وعیدیں وارد ہوئی ہیں کیا اللہ تعالیٰ کے لئے ان پر عمل واجب ہے جیسا کہ معتزلہ کہتے ہیں یا واجب نہیں بلکہ وہ مختار کامل ہے جیسا کہ اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے۔

اس وضاحت کے بعد آیئے معتزلین کی عبارت پر بھی نظر ڈالتے ہیں تا کہ ان کی عبارتوں سے ہی ان کا نقطہ نظر زیر نظر آجائے قاضی عبد الجبار معتزلی اپنی کتاب ''شرح الاصول الخمسہ'' میں لکھتے ہیں: واما علوم الوعد والوعید فھو ان اللہ وعد المطیعین بالثواب ۔۔۔۔ وانہ یفعل ما وعدبہ لا محالۃ ولا یجوز علیہ الخلف والکذب ۔۔۔، اور وعدہ اور وعید کی خبریں تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اطاعت گذاروں سے ثواب کا وعدہ کیا ہے

*استاذ شعبۂ عالمیت ادارہ ہذا

اور اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ کیا ہے اسے ضرور وفا کرے گا، اللہ تعالیٰ کے لئے خلافِ وعدہ اور کذب جائز نہیں ہے ۔۔۔، اور وعید کے متعلق تحریر کرتے ہیں: وتوعد العصاة بالعقاب ، وانه يفعل ما وعدبه وتوعد عليه لا محالة ولا يجوز عليه الخلف والكذب ۔۔ (شرح اصول الخمسہ: ۱۳۵، ۱۳۶) اور اللہ تعالیٰ نے عاصیوں کو سزا کی دھمکی دی ہے اور اللہ تعالیٰ نے جس چیز کا وعدہ کیا ہے اور جس فعل پر دھمکی دی ہے لامحالہ ان کو انجام دینا ہوگا کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے لئے خلاف وعید اور کذب ممکن نہیں ہے۔

قاضی صاحب کی اس عبارت سے یہ واشگاف ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے وعدہ اور وعید پورا کرنا واجب اور ضروری ہے کیوں کہ وعدہ اور وعید دونوں خبر کی قبیل سے ہیں اور اگر خبر مخبر لہ (جس چیز کی خبر دی جارہی ہے اُس) کے مطابق نہ ہو تو کذب لازم آئے گا اور اگر مخبر لہ کے مطابق ہو تو خبر صادق ہوگی لیکن اگر اللہ جل شانہ اس وعدہ اور وعید کو نافذ نہ کرے تو خلافِ وعدہ و وعید لازم آئے گا اور کذب وخلاف دونوں اللہ تعالیٰ کے حق میں محال ہیں۔

اہل اعتزال مختلف آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ سے استدلال کرتے ہیں، ایسی آیاتِ کریمہ اور احادیث شریفہ جن کے ظواہر نصوص اہل طاعت کے لئے ثواب کے وجوب اور اہل معصیت کے لئے عقاب کے لزوم پر دلالت کرتے ہیں ان سے اپنے مزعومات پر احتجاج کرتے ہیں، اس اجمالی خاکہ کے بعد چند آیات اور احادیث کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ؕ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

اور جو شخص اپنے گھر سے (اس نیت سے) نکلے کہ اللہ اور اس کے رسول کے (دین کی) خاطر ہجرت کرنے والا ہو پھر اس کو موت آپہونچے تو اس کا ثواب اللہ پر واقع ہوگیا اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔

(سورۃ النساء)

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ معتزلہ نے کہا ہے کہ یہ آیتِ شریفہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عمل اللہ تعالیٰ پر ثواب کو واجب کرتا ہے، اس لئے کہ وقوع بمعنی وجوب ہے اور حرف ''علی'' الزام (لازم کرنے) کے لئے آتا ہے، نیز اجر یا اُجرت ایسی منفعت کو کہا جاتا ہے جو عمل کے بدلہ میں حاصل ہو، یہ سب کلمات وحروف ثواب کے وجوب ولزوم پر دال ہیں۔ (تفسیر الرازی: ۱۶/۱۶)

(۲) مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ ﴿۸۹﴾ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ ؕ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۰﴾ (سورۃ النمل)

جو شخص نیکی لے کر آئے گا تو اس کے واسطے اس سے بہتر بدلہ ہوگا اور وہ لوگ اس روز قیامت میں گھبراہٹ سے مامون ہوں گے اور جو گناہ لے کر آئے گا تو ان کو ان کے چہروں کے بل آگ میں پھینک دیا جائے گا۔

(۳) اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ﴿۱۳﴾ وَّاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ ﴿۱۴﴾ (سورۃ الانفطار)

یقیناً نیک لوگ جنت میں ہوں گے اور بدلوگ جہنم میں ہوں گے۔

یہ اور ان جیسی آیات سے معتزلین استدلال کرتے ہیں کہ مومنین مطیعین کے عمل کے عوض میں بطور استحقاق ثواب اور جنت کا وعدہ کیا گیا ہے اور مومنین فاسقین کے لئے بدعملی کے بدلہ میں بسبب استحقاق جہنم کی وعید کی گئی ہے اور مستحقین کو ان کا حق نہ دینا ظلم ہے اور اللہ جل شانہ لوگوں پر ظلم نہیں کرے گا اس لئے اللہ رب العزت پر نیکوکاروں کو ثواب اور بدکاروں کو عقاب دینا لازم ہے۔۔۔۔۔اسی طرح وہ احادیث شریفہ جن میں محسنین کے لئے بڑے بڑے ثواب کا وعدہ کیا گیا ہے اور گناہ کے مرتکبین کے لئے بھیانک وعیدیں سنائی گئی ہیں جیسے زبان اور شرم گاہ کی حفاظت پر جنت کی ضمانت دی گئی ہے اور بلی کو بھوکا پیاسا رکھ کر مار ڈالنے والی عورت کے لئے جہنمی ہونے کی خبر دی گئی ہے، یا خود کے قاتل کو جہنم میں اسی طرح کے عذاب میں گرفتار رہنے کی خبر دی گئی ہے، ان سب احادیث سے بھی معتزلہ نے احتجاج کیا ہے۔

ردمعتزلہ: معتزلہ کے دلائل ہمارے سامنے آچکے ہیں، اگر ہم ان دلائل کا جائزہ بنظر غائر لیں تو معلوم بلکہ محسوس ہوگا کہ معتزلیوں نے دلائل سمجھنے میں دو بنیادی غلطی کی ہے جن کی وجہ سے نتیجہ اور ثمرہ بھی غلط برآمد ہوا ہے

پہلا مغالطہ تو یہ ہوا کہ اطاعت گذار مومن کے لئے ثواب کے وعدہ کو عمل کا حق اور اجرت قرار دیا حالاں کہ یہ ثواب عمل کی اجرت یا حق واجب نہیں ہے کیوں کہ اللہ رب العزت کے احسانات وانعامات بے حساب و بے شمار ہیں بندہ اس کی ایک نعمت کا حق زندگی بھر کی عبادت وطاعت سے ادا نہیں کرسکتا ہے تو تمام نعمتوں کا حق ادا کرنا بعید از فہم وعقل ہے لہذا بندہ اگر کسی قسم کی عبادت کرتا ہے اور اللہ جل شانہ اس پر ثواب کا وعدہ کرتا ہے تو یہ بندہ کے عمل کا حق واجب نہیں ہے کیوں کہ حق ادا ہی نہیں ہوا ہے تو اس کی اجرت اور منفعت کہاں سے ملے گی بس یہ ثواب محض فضل الٰہی اور احسان مولیٰ ہے اور جو ثواب واجرت فضل واحسان کے طور پر ہو وہ واجب اور لازم نہیں ہوتا ہے، تو اللہ تعالیٰ پر اعطائے ثواب کیسے لازم ہوگا، ہاں اللہ جل شانہ کریم ہے وہ ایفائے وعدہ ضرور

کرے گا، کیوں کہ وعدہ وفا کرنا فعل حسن ہے اور اللہ جل جلالہ تمام حسنات وکمالات کو جامع ہے، تو اللہ تعالیٰ پر غیر کے عمل کی وجہ سے وعدۂ ثواب کو واجب کرنا امر قبیح ہے اور اللہ تعالیٰ کا بندوں کے کسی نیک کام کے سبب خود پر ثواب کو لازم کر لینا اخلاقِ حسنہ وعمدہ صفات میں سے ہے، لہذا دونوں وجوب میں فرق کرنا نہایت ضروری ہے۔

دوسرا مغالطہ بلکہ غلطی یہ ہوئی کہ مستحق سزا کو سزا نہ دینا ظلم کہا حالاں کہ یہ عفو، درگذر اور رحم دلی کا معاملہ ہے، جو انسانی معاشرہ اور عرف میں لائق ستائش اور قابلِ تعریف مانا جاتا ہے، شاعر اپنی مدح کرتے ہوئے کہتا ہے ؎

وانی اذا اوعدته او وعدته
لمخلف ایعادی ومنجز موعدی

کہ یقیناً جب میں کسی کو دھمکاتا ہوں یا کسی سے وعدہ کرتا ہوں تو میں اپنی دھمکی کو پیچھے چھوڑ دیتا ہوں اور اپنے وعدہ کو پورا کرتا ہوں۔۔۔ تو اللہ جل شانہٗ اگر کسی مومن مجرم کو سزا نہ دے اور اپنے شانِ کریمی سے عفو ودرگذر فرمادے تو ظلم کیسے ہوگا معتزلیوں کی یہ بات عقل وفہم سے بالاتر ہے۔

اہل اعتزال کی اس بنیادی غلطی پر تنبہ کے بعد اب ان کے مستدلات کا جواب دیا جاتا ہے، مذکورہ آیاتِ کریمہ اور احادیثِ شریفہ (جن کی جانب اشارہ کیا گیا ہے) سے ان کا استدلال درست نہیں ہے کیوں کہ ان آیات واحادیث سے فرمانبرداروں کے لئے جو ثواب کا وجوب معلوم ہوتا ہے، ہم کو ثواب کے وجوب سے اختلاف نہیں ہے کیوں کہ وہ وجوب فضل واحسان کے طور پر ہے عمل کے استحقاق کے طور پر نہیں ہے جیسا کہ معتزلہ کا قول ہے اور مذکورہ آیات واحادیث میں اس پر کوئی دلالت نہیں ہے۔ (التفسیر الکبیر: ۱۶/۱۱) اور وعید کی آیتوں اور احادیث میں گنہگار مومن کے لئے جو وعید آئی ہے وہ مقصود نہیں ہے بلکہ مقصود اس وعید کی خبر دینا ہے یعنی اگر اس گناہ پر سزا دی جاتی تو اس کی سزا یہ ہوتی، نہ یہ کہ یہی سزا دی جائے گی لہذا اللہ چاہے تو سزا دے اور چاہے تو رحم وکرم فرما کر معاف کردے یہی توضیح حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہے۔ (تفسیر ابی السعود: ۲/۲۱۷ بتصرف)

دوسرا جواب یہ ہے کہ آیاتِ وعدہ ووعید جن سے ثواب وعقاب کا وجوب معلوم ہوتا ہے ان آیات کے معارض ہیں جن سے اعطاء ثواب بفضل اللہ اور عتاب وعقاب سے صفح وعفو معلوم ہوتا ہے چناں چہ اللہ کریم کا ارشاد ہے:

الَّذِیْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ لَا یَمَسُّنَا فِیْهَا نَصَبٌ وَّلَا یَمَسُّنَا فِیْهَا لُغُوْبٌ ﴿۳۵﴾ (سورۃ الفاطر)

وہ اللہ جس نے ہمیں اپنے فضل سے جنت میں اُتارا جس میں ہمیں نہ کوئی مشقت ہوگی اور نہ شور وشرابہ ہوگا۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ (سورۃ النساء:۴۸)

اللہ تعالیٰ شرک کئے جانے (کے گناہ) کو نہیں بخشے گا اور اس کے سوا گناہ کو بخش دے گا وہ جس کے لئے چاہے گا۔

پہلی آیتِ شریفہ میں دخولِ جنت بفضلِ الٰہی ہونے کی خبر دی گئی ہے، اور دوسری آیت اور اس جیسی آیتوں میں مومن کے گناہوں کی بخشش اور درگذر کرنے کی بشارت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے گنہگار مومن کے لئے وعید پر عمل واجب نہیں ہے، نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ اللہ جل شانہ اہل جنت کو جنت میں داخل کرے گا پھر اللہ رب العزت ارشاد فرمائے گا: اخرجوا من کان فی قلبہ مثقال حبۃ من خردل من ایمان (صحیح البخاری:۱/ ۱۲) کہ جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہے اس کو جہنم سے نکالو۔۔۔ اس سے اور اس جیسی احادیثِ شریفہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ مومن عاصی کے واسطے اللہ تعالیٰ پر جہنم کی وعید پر دائماً عمل ضروری نہیں ہے بلکہ ابتداء اور انتہاء میں بھی عفو و درگذر پر عمل ہوسکتا ہے۔

آیات واحادیث کے مابین تعارض سامنے آگیا ایسی صورت میں وعدہ کی آیات اور احادیث کی ترجیح اعلیٰ اور افضل ہے کیوں کہ ذات کریم کے کرم کے مناسب عفو و درگذر رہی ہے نیز یہ حدیث مشہور بھی ہے کہ اللہ عم نوالہ کی رحمت اس کے غضب پر سبقت کر جاتی ہے۔ (التفسیر الرازی: ۳/ ۱۷۱) بہر حال ان تفصیلات کے بعد واضح ہوگیا کہ اللہ جل جلالہ پر وعدہ اور وعید واجب نہیں ہے، یہی صحابہ کرامؓ اور اہل السنہ والجماعت کا اعتقاد ہے۔ (واللہ اعلم وعلمہ اتم)

(بقیہ صفحہ:۴۹ سے) بحیثیت مسلم برادری، شامی بھائیوں کا درد ہمارے دل میں جاگزیں ہونا چاہیے۔ آپ یہ حدیث پاک ملاحظہ کیجیے اور اپنے احوال پر ایک نظر ڈالیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص بھی اپنے اس مسلمان بھائی کی مدد کرے جو ایسے ملک میں رہتا ہے جہاں اس کی آبرو محفوظ نہیں اور جہاں اس کی جان کو خطرہ لاحق ہے تو اللہ تعالیٰ اس مدد کرنے والے کی ایسے ملک میں مدد کرے گا جہاں وہ چاہے گا کہ اس کی نصرت کی جائے۔ جس آدمی نے کسی مسلمان کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا ایسے ملک میں جہاں اس کی جان محفوظ نہیں تو اللہ بھی اسے اس ملک میں تنہا چھوڑ دے گا جہاں وہ چاہے گا کہ اس کی مدد کی جائے۔'' سو، آج اگر ہم قدرے بہتر حالت میں ہیں تو اپنے مستقبل کو محفوظ کرنے کے لیے تمام برادرانِ اسلام اسلامی ممالک کے مسائل کو اپنے مسائل سمجھیں اور اخلاقی فرائض سے غافل نہ رہیں۔

اس بات سے تو کوئی مسلمان بھی خالی نہ رہے کہ اپنے تمام مظلوم مسلمان بھائیوں، بالخصوص شامیوں کی اس شام غم سے نجات کے لیے اللہ کے سامنے ہاتھ پھیلا کر مسلسل دعا کرتا رہے۔

فکرِ عقبیٰ

ہر نفس موت کا مزہ چکھے گا

مولانا نسیم اختر شاہ قیصر مدظلہٗ*

ربّ کائنات نے کائنات کا نظام اس طور پر قائم فرمایا ہے کہ کسی چیز کو دوام نہیں بخشا اور کسی مخلوق کو ہمیشہ اس دنیا میں رہنے کی خوش خبری نہیں دی۔ جو موجود ہے اسے مٹ جانا ہے، صرف وہ مخلوقات ہی موت کے دروازے سے نہیں گزریں گی جن میں روح دوڑ رہی ہے، جو چل رہی ہیں، پھر رہی ہیں، حرکت کر رہی ہیں، بلکہ وہ مخلوقات بھی موت کے دامن میں پناہ لیں گی، جو جمادات میں سے ہیں، نباتات میں سے ہیں، سب پر موت طاری ہونی ہے۔ رب دو جہاں نے اس دنیا کے مقدر میں فنا ہونا تحریر فرما دیا ہے، چناں چہ ہم دیکھتے ہیں کہ سورج نکلتا ہے، ڈوب جاتا ہے، یہ سورج کی موت ہے، چاند روشن ہوتا ہے غروب ہو جاتا ہے، اسے چاند کی موت کہتے ہیں۔ یہ جو پھیلا ہوا آسمان ہم دیکھتے ہیں، یہ بھی ایک دن بادلوں کی طرح اڑتا پھرے گا اور اس کا وجود ختم ہو جائے گا۔ یہ جو پہاڑ دکھائی دیتے ہیں جن کا اپنی جگہ سے ہلنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، یہ بھی ریزہ ریزہ ہو جائیں گے، یہ سمندر، یہ صحرا، یہ جنگل یہ بیابان، یہ دریا یہ ریگستان، سب فنا کے گھاٹ اتر جائیں گے۔ یہ انسان، جسے اشرف المخلوقات کہا جاتا ہے اور رب العالمین نے جس کے درجات بلند فرمائے ہیں، تمام مخلوقات میں جسے برتری حاصل ہے اور اس دنیا میں بے شمار کام بلکہ کارنامے اس انسان کے ذریعے انجام دیئے جا رہے ہیں، یہ انسان بھی ایک روز اپنے رب کے حکم کے مطابق موت کی آغوش میں سر رکھ دے گا۔ انفرادی طور پر موت کے مظاہر ہم دیکھتے رہتے ہیں ایک دن وہ بھی آئے گا جب اس دنیا کی اجتماعی موت ہوگی اور یہ موت قیامت کے عنوان سے ہوگی۔ رب العالمین نے اپنے پاک کلام میں متعدد مقامات پر مختلف پیرائے میں موت کی حقیقت پر آگاہی بخشی ہے اور اس کے طاری ہونے کا اعلان فرمایا ہے قرآن کریم کا ارشاد ہے:

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ''ہر شخص کو موت کا مزہ چکھنا ہے پھر تم سب کو ہمارے پاس آنا ہے''۔ (عنکبوت/ ۵۷)

مزید ارشاد ربانی ہے: كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ط وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ط

*استاذ حدیث دار العلوم وقف دیوبند

فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۱۸۵﴾

''ہر جان کو موت کا چکھنا ہے اور تم کو پوری پاداش تمہاری قیامت ہی کے روز ملے گی، تو جو شخص دوزخ سے بچالیا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا سو پورا کامیاب وہی ہوا اور دنیوی زندگی تو کچھ بھی نہیں صرف دھوکے کا سودا ہے''۔ (آل عمران/ ۱۸۵)

ہر انسان اس دنیا سے رخصت ہوگا اور اپنے رب کے حضور حاضر ہوگا جو کچھ بھی اس نے اس دنیا میں کیا اور جو کچھ بھی اعمال اس کے ذریعہ سامنے آئے وہ قیامت کے روز اس کو بتلا دیئے جائیں گے اور انھیں کے مطابق فیصلہ ہوگا۔ رب دو جہاں نے دنیا کی زندگی کو دھوکے کا سودا قرار دیا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ انسان اس دنیا کی چمک دمک اور زیب وزینت میں گم ہو جاتا ہے اور یہ سوچتا ہے کہ یہ زندگی ہمیشہ رہے گی، اسی طرح عیش ہوتا رہے گا، ایسے ہی آرام وراحت سے بسر ہوتی رہے گی، جو چاہے کیا جائے، جیسے چاہے کیا جائے۔ کسی قسم کا کوئی خوف نہیں اور نہ کسی کے سوال وجواب کا ڈر، اسی بنیاد پر خداوند عالم نے دنیا کو دھوکے کا سودا بتایا ہے۔ اس موت کے بارے میں قرآن کریم ایک دوسری جگہ پر فرماتا ہے:

اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ؕ ''تم چاہے کہیں بھی ہو وہاں ہی موت تم کو آدبائے گی، اگر چہ تم قلعی چونہ کے قلعوں ہی میں ہو''۔ (سورۂ نساء/ ۷۸)

آدمی کسی بھی ملک میں ہو، کسی بھی شہر میں ہو، کسی بھی بستی میں قیام پذیر ہو، ہوائی سفر کر رہا ہو، یا سمندر کے سینے پر چل کر اپنی منزل کی طرف بڑھ رہا ہو، غرض پیدل ہو یا سواری میں، بیمار ہو یا صحت مند، موت سے کسی کو رستگاری نہیں ہے اسی کو شاعر نے کہا۔

موت سے کس کو رستگاری ہے
آج وہ، کل ہماری باری ہے

جس کا اعلان ہو گیا وہ رخصت ہوگا، جس کو پکار لیا گیا اسے لبیک کہنا ہے، یہ موت آہنی دروازے بھیڑ لینے اور مضبوط عمارتوں میں رہائش اختیار کر لینے سے بھی مجبور ہونے اور رکنے والی نہیں ہے، اس کے لمبے ہاتھ ہر رکاوٹ کو پار کرتے ہوئے حکم الٰہی کی تعمیل کریں گے۔ تمام مخلوقات شکست وریخت سے دوچار ہوں گی، صرف ایک ذات اللہ کی ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی، اسی کو باقی رہنا ہے، سب مٹیں گی، کوئی مخلوق باقی نہیں رہے گی، اسی صداقت کو رب ذوالجلال نے یوں بیان فرمایا:

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿۲۶﴾ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿۲۷﴾

''جتنے ذی روح روئے زمین پر موجود ہیں سب فنا ہو جائیں گے اور صرف آپ کے پروردگار کی ذات جو کہ عظمت والی اور احسان والی ہے باقی رہ جائے گی''۔(سورۂ رحمٰن/۲۶)

تاکید فرمائی گئی کہ دنیا میں اس طرح رہنا چاہیے جیسے ایک مسافر رہتا ہے ایک جگہ پہنچا، چند دن ٹھہرا، پھر اپنے گھر کی طرف لوٹ گیا۔ کسی مسافر کا قیام اپنے گھر کے سوا زیادہ دن نہیں ہوتا؛ اسی طرح آدمی اس دنیا میں مسافر ہے اور اسے اپنے حقیقی مقام کی طرف چلے جانا ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

''آپ اس دنیا میں اس طرح رہئے گویا آپ اجنبی ہیں یا راہ چلتے مسافر''۔

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی نے اپنے ایک خطاب میں فرمایا:

''انسان کی زندگی ہوا میں رکھے ہوئے چراغ کی مانند ہے بوڑھا آدمی اگر چراغِ سحر ہے تو جوان آدمی چراغِ شام ہے جس طرح ہوا کے اندر رکھا ہوا چراغ ایک جھونکے کا محتاج ہوتا ہے ایسی ہی انسانی زندگی بھی ایک پل کی محتاج ہوتی ہے۔

زندگی کیا ہے، تھرکتا ہوا ننھا سا دیا ایک ہی جھونکا جسے آ کے بجھا دیتا ہے
یا سرِ مژگانِ غم کا تھرکتا ہوا آنسو پلک جھپکنا جسے مٹی میں ملا دیتا ہے

معلوم ہوا دنیا وطن اقامت ہے اور جنت اس کے لیے وطن اصلی ہے، وطن اقامت میں آدمی چند روز ٹھہرتا ہے اور چلا جاتا ہے، وطن اصلی سے نکلنے کا کوئی تصور نہیں ہے تو جب جنت میں داخل ہو جائے گا تو ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہے گا، اب اس عالم کو مٹنا نہیں ہے، ختم ہونا نہیں ہے، جو دوزخ میں جانے والے ہیں ان کے لیے بھی اگر یہ فیصلہ ہو چکا کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے تو وہاں سے نکل نہیں سکیں گے۔ دنیا مومن کے لیے قید خانہ بتائی گئی اور کافر کے لیے جنت۔ حدیث پاک میں ہے: ''الدنیا سجن المؤمن و جنة الکافر'' بات بالکل واضح اور کھلی ہے، موت سے کسی کو مفر نہیں، غافل لوگ جو موت کی سچائی پر باوجود دیکھنے اور سمجھنے کے یقین نہیں کرتے وہ دنیا میں مست رہتے ہیں۔ ان کے یہاں اس دنیا کے بعد کوئی اور دنیا نہیں ہے، کوئی اور عالم نہیں ہے، حالاں کہ اس دنیا کے ویران و ختم ہونے کے بعد ایک دوسری دنیا میں ہم سب کو پہنچنا ہے۔ جن کا اس پر یقین ہے کہ یہ دنیا نیست و نابود ہو جائے گی وہ اپنے اللہ اور رسول کے احکامات اور فرمودات پر عمل کرتے ہیں اور جس طرح کی زندگی گزارنے کا انھیں حکم دیا اس طرح کی زندگی گزارتے ہیں۔ ان کی نظر اس پر رہتی ہے کہ ایک دن انھیں اپنے اللہ کے سامنے کھڑا ہونا ہے، اپنے کئے کا جواب دینا ہے، حساب و کتاب کے مرحلہ سے گزرنا ہے اور قادر مطلق کے انصاف اور عدل کا مشاہدہ کرنا ہے۔ وہ دنیا کو اس نظر سے نہیں دیکھتے جس نظر سے اسے دنیادار دیکھتا ہے۔

نقوشِ رفتگاں

شیخِ ثانی حضرت مولانا عبدالحق اعظمیؒ

از: مرتب

ماہنامے کی ترتیب کا کام قریب الختم تھا کہ دیوبند سے ایک عزیز نے فون کیا اور اس حادثۂ فاجعہ کی خبر دی کہ ابھی بعد نماز مغرب دارالعلوم دیوبند کے استاذ جلیل محدث عظیم حضرت مولانا شیخ عبدالحق صاحب اعظمی (معروف بہ شیخِ ثانی) کا انتقال ہوگیا، انا للہ وانا الیہ راجعون خبر سنتے ہی دل بہت مغموم ہوا کہ علومِ نبوت کے جس چشمۂ فیضان سے ہم کو بھی کچھ حصہ ملا تھا وہ اب ہمیشہ کے لئے بند ہوگیا، فوراً توفیق الٰہی سے چند آیاتِ کریمہ پڑھ کر حق مسلم، حق استاذ و محسن کے طور پر ایصالِ ثواب کیا، رات سونے تک اور صبح اُٹھتے ہی حضرتؒ کی یاد آتی رہی، عشاء بعد درسِ بخاری کا پُر کیف منظر ختم بخاری و مسلسلات کی بابرکت مجالسِ درس کا نظارہ بار بار آنکھوں کے سامنے گھومتا رہا، اللہ پاک غریق رحمت فرمائے، حدیث شریف اور علومِ دینیہ کی دیرینہ خدمات کو شرف قبول نصیب فرمائے، آپ کے فیض یافتگان کے ذریعہ آپ کے علوم عام فرمائے اور ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین یارب العالمین۔

ہزاروں طالبانِ علوم نبوت نے حضرت سے بخاری شریف پڑھی، پہلے یہ درس بعد عشا ہوتا تھا، اور ادھر کچھ سالوں سے بینائی بہت کمزور ہونے سے دن کے اوقات میں جاری وساری تھا، اور ماشاء اللہ قبیلِ وفات تک یہ سلسلۂ درس قائم رہا اور حضرتؒ نے اپنے اساتذہ سے پائے ہوئے علوم وفنون بڑی شفقت ومحبت سے طلبہ میں منتقل فرمائے اور انھیں اجازتِ حدیث عطا فرمائی، حضرت کے حالاتِ زندگی سے اس عاجز کو زیادہ واقفیت نہیں، اللہ کرے کہ کوئی بندۂ مخلص بہ جلد حضرت کے حالاتِ زندگی رقم کرے اور سبق آموز پہلو اُمت کے سامنے لائے، ایک دو واقعات جس سے اس عاجز کو کچھ سیکھنے کو ملا وہ قارئین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں تاکہ وہ بھی مستفید ہوں۔

● درسِ حدیث کی عظیم الشان خدمت کی انجام دہی کے باوجود تواضع وعجز کا یہ منظر آنکھوں نے دیکھا کہ گھر کی حوائج اصلیہ کے لئے ہاتھ میں عصائے پیری لئے ہوئے تشریف لا رہے ہیں، نظریں نیچی ہیں، راستے کے ایک بازو سے چلتے ہوئے دارالعلوم دیوبند کے چوراہے کے پاس پہنچے، اور سبزی وغیرہ کی خود خریدی فرمائی۔

اپنا کام خود انجام دینے کی راہ میں ان کا منصبِ جلیل حائل نہ ہوا۔

● ایک مرتبہ حیدرآباد کے سفر میں ہمارے ادارہ اشرف العلوم تشریف لائے، ہم طلبہ ملاقات کے لئے حاضر ہوئے اور نصیحت کی درخواست کی۔ تو مزاحاً یہ شعر پڑھا۔

ناصحا مت کر نصیحت دل میرا گھبرائے ہے
میں اُسے سمجھوں دشمن جو مجھے سمجھائے ہے

پھر فرمایا: حضرت علیؓ کا مقولہ ہے علم عمل کو ندا دیتا ہے، اگر کوئی عمل کرتا ہے تو وہ علم اس کے پاس محفوظ رہ جاتا ہے اور اگر نہیں عمل کرتا تو وہ رخصت ہو جاتا ہے عمل علم کے بقاء کا سبب ہے۔

ہمارے اسلاف اور بزرگان دین بھی علم پر عمل کر کے محفوظ کر لیا کرتے تھے، حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے ایک مرتبہ پچھنا لگوایا اور پھر اس کی اجرت دی، اس کے بعد فرمایا کہ حضور ﷺ نے بھی پچھنا لگوا کر اجرت دی تھی؛ حدیث پر عمل کر کے علم کو محفوظ کر لیا، کچھ یاد کرنا ہو، قرآن وحدیث ہو یا مسائل فقہیہ ہوں اس پر عمل کر کے محفوظ کر لو "لو اردت ان تحفظ الحدیث فاعمل به ولو مرة" اگر تو حدیث کو محفوظ کرنا چاہے تو اس پر عمل کر لے اگر چہ ایک مرتبہ ہو۔ پھر فرمایا: حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ جنہوں نے "بذل المجهود" لکھی ہے، جب ایک حدیث آئی جس میں "نوازل" سورتوں کا ذکر آیا، نوازل یہ سورتیں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی قرأت میں تھیں، مصحفِ عثمانی میں نہیں، انھیں یہ نوازل یاد نہ ہوتی تھیں تو اپنے تلمیذ رشید حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ سے فرمایا کہ زکریا! یہ نوازل مجھے یاد نہیں ہوتی تم اُنھیں لکھ کر دے دو، میں اُسے تہجد میں پڑھ لوں گا؛ تو اس طرح عمل کر کے یاد کر لیا، اس طرح علم کو باقی رکھا جاتا ہے۔

بہر حال! جب علما و محدثین اُٹھ جاتے ہیں تو علم بھی اُٹھ جاتا ہے، ایک ایک کر کے علماء اٹھتے چلے جا رہے ہیں، اور ہم وراثتِ نبوت اور اس کی برکات سے محروم ہوتے جا رہے ہیں، اللہ سے دعا ہے کہ جو اکابرین امت حیات ہیں اُنھیں صحت وعافیت اور درازیٔ عمر نصیب فرمائے اور ہمیں ان کے چشمہ صافی سے فیضیاب ہونے کا موقع ملتا رہے۔ قارئین سے خواہش وگذارش ہے کہ حضرت شیخ رحمہ اللہ کے لئے دعائے مغفرت فرماتے رہیں اور حسب قدرت ووسعت ایصالِ ثواب بھی کرتے رہیں۔ اللهم اغفر له وارحمه وعافه واعف عنه وادخله الجنة

ابر رحمت ان کی مرقد پر گُہر باری کرے
حشر تک شانِ کریمی ناز برداری کرے

لمحۂ فکریہ

یہ وہ حادثہ ہے جس کو نہ بھلا سکے زمانہ

مولانا عبدالرشید طلحہ نعمانی*

سرزمینِ انبیاء، قبلہ اول، ملک شام 1946ء میں آزاد ہوکر بھی آج تک آزاد نہ ہوسکا۔ مسلسل انقلابات کی زد میں رہنے کے بعد 1970ء میں ایک آدم خور درندہ صفت شخص نے عنان حکومت سنبھالی اور عوام کی زندگی اجیرن بنادی، 2011ء میں اس بڑے ظالم کے بعد اس کا جانشین برسر اقتدار آیا اور قتل وغارت گری کا بازار گرما دیا، یوں گزشتہ 35 سال سے باپ بیٹا ملک شام کے سیاہ وسفید کے مالک چلے آرہے ہیں۔ بشارالاسد کو آج چار سال ہونے کو آئے ہیں، تسلسل کے ساتھ عوام کو ذبح کیا جارہا ہے۔ عالمی پابندیوں اور تنبیہات کے باوجود کیمیائی ہتھیاروں کا بے دریغ استعمال جاری ہے۔ ایک عرب دانشور کے بقول: بشارالاسد جس تسلسل کے ساتھ شامی عوام کو تہ تیغ کررہا ہے، شاید سینما کی فلم میں اتنی کثرت سے قتل ہوتے نہ دیکھے گئے ہوں۔

شام کی عوام ایک ڈکٹیٹر شپ کی قہرمانیوں کی زد میں ہے، ان کی زندگی اجیرن ہوچکی ہے، شیطنت کا علمبردار ایک سرکش حاکم ان کے لیے عذاب بن کر مسلط ہے۔ اب تک لاکھوں لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار چکا ہے اور اس قتل عام سے کسی بھی طور پر متاثرہ خاندانوں اور افراد کی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے، سیکڑوں افراد ملک اور بیرون ملک ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے، بے شمار گھروں کو منہدم کرکے اور اجاڑ کر ویرانیوں کو بسا دیا گیا، ایسے افراد تو بے شمار ہیں جو بشار کی انا کا شکار ہوکر زندگی کی بنیادی سہولیات سے محروم ہیں۔

شام کا خوبصورت ترین شہر حلب روشنیوں سے جگمگا رہا تھا، وہاں کی عوام اس طرح خوشحالی کی زندگی گزار رہی تھی، گویا حلب ہی ان کی جنت ہے، ان کے چہرے ہمہ وقت فرحت ومسرت سے لبریز تھے؛ مگر یہ کیا کہ اچانک

بُوئے گُل لے گئی بیرُونِ چمن رازِ چمن
کیا قیامت ہے کہ خود پھُول ہیں غمازِ چمن
عہدِ گُل ختم ہُوا، ٹوٹ گیا سازِ چمن
اُڑ گئے ڈالیوں سے زمزمہ پردازِ چمن

*استاذ شعبۂ عالمیت ادارہ ہذا

''حلب'' شام کا سب سے بڑا شہر ہے، یہ شہر عالمِ اسلام کیلئے بہت اہمیت کا حامل ہے، کئی مسلم سلاطین جیسا کہ سلطان عماد الدین زنگی اور ان کے فرزند سلطان نور الدین زنگی کے عہد حکومت میں دار الخلافہ بھی رہا اور آج تک عالمِ اسلام کیلئے یہ شہر اہم ترین مرکزی شہروں میں سے ایک ہے، یہ شہر علوم وفنون، تجارت وسیاست کی اپنی ایک تاریخ رکھتا ہے، مشرق وسطیٰ کا قدیم ترین بازار مدینہ السوق بھی اسی شہر میں ہے، جہاں پتھر سے بنی گلیاں مسلمانوں کی عظمتِ رفتہ اور شوکت گذشتہ کی یاد دلاتی ہیں، سلطان صلاح الدین ایوبی کا مسکن اور صلیبی جنگوں میں مسلمانوں کا ہیڈ کوارٹر یہی حلب تھا، 95 ھجری میں بنیاد رکھی جانے والی مسجد ''جامع اُموی'' کبھی حلب کی دل کشی اور خوبصورتی کی علامت سمجھی جاتی تھی؛ لیکن اب یہی حلب بربادیوں کا نشان اور ویرانیوں کا مرکز ہے۔ بی بی سی عربی کی رپورٹ کے مطابق مارچ 2011 سے نومبر 2015 کے درمیان 240 اسپتالوں پر 336 حملے ہوئے، جس کے نتیجے میں طبی عملے کے 697 ارکان مارے گئے اور تعلیمی ادارے بھی اسی زد میں ہونے کی وجہ سے نئی نسل تعلیم سے محروم ہو رہی ہے، غرض کہ شام بشار الاسد کی دھشت گردی سے زبردست عدم استحکام کا شکار ہے، لیکن عالمی برادری اس کھلی دھشت گردی پر خاموش تماشائی بنی ہوئی ہے، زمینی جنگ میں پسپائی کے بعد شامی حکومت نے اپنے دھشت گرد دوست روس کے ساتھ مل کر ستمبر 2015 سے فضائی حملے شروع کر دیئے ہیں، جن میں مبینہ طور پر گزشتہ سال سے رواں سال تک بچوں، عورتوں اور بوڑھوں سمیت ہزاروں شہری ہلاک ہو چکے ہیں۔ ظالم بشار الاسد اور اس کی حلیف طاقتوں نے حلب پر جو انسانیت سوز بمباری کی ہے وہ تاریخ میں سفاکیت ودرندگی کی بے نظیر مثال ہے۔

مظلوم بیٹی کی فریاد:

بمباری کے باعث عمارت کے ملبے سے زندہ بچنے والی اسلام کی باحجاب بیٹی جب باہر آئی تو جو الفاظ اس نے کہے، وہ اسلام کی ساری بیٹیوں کے لیے ایک پیغام ہیں" مجھے ہاتھ مت لگانا میں بالکل ٹھیک ہوں" .....

اسلام کی بیٹیو! تم شاید غلط دور میں غلط لوگوں کے ہاں پیدا ہوگئی ہو! تمہیں کسی محمد بن قاسم کے زمانے میں ہونا چاہیے تھا۔ کاش تمہیں کوئی حجاج جیسا باحمیت ظالم ہی ملا ہوتا، تم نے کن حیا وشرم اور غیرت سے محروم حکمرانوں کے دور میں جنم لیا ہے، جن کی غیرت کے پیمانے سنگ دلی سے بنے ہیں، جو ڈالروں کے عوض عافیائیں بیچ دیتے ہیں، حمیت نام تھا جس کا گئی تیمور کے گھر سے تم میرے نبی کے دور میں ہوتیں تو نازک آبگینوں کی مانند رکھی جاتیں، تم عمر فاروق کا دور پاتیں تو خلیفہ وقت تمہاری ضرورت کا سامان اپنی پیٹھ پر لاد کر خود پہنچتا، مگر ہاں! اللہ نے تمہیں اس آزمائش کے دور میں پیدا کیا ہے تو تمہیں یہ حوصلہ بھی عطا کیا ہے، تم پر بم برسے! طوفانوں سے بچانے والی چھتیں تم ہی پر الٹا دی گئیں، تمہارے بچے تم سے چھین لیے گئے، تمہاری آنکھوں کے سامنے تمہارے شوہروں کو کچلا اور باپوں کو مسلا گیا مگر تم حیا وحجاب کا پیکر بنی رہیں، تمہارا گرد آلود عبایا بتا رہی ہے کہ چوٹ تمہیں بھی آئی

ہے؛ مگر حیا، تمہاری شناخت ہے، میری عزیز بہنو! غم نہ کرنا مگر دھوکا بھی نہ کھانا، یہاں تمہارے اردگرد کوئی تمہارا محافظ نہیں! وہ تو نہیں جو بمباری کر رہے ہیں اور وہ بھی نہیں جن کو نشانہ بنایا جا رہا ہے، اور نہ ہی وہ جنہوں نے امت کو ترنوالہ بنانے کے لیے اسے مختلف گروہوں میں بانٹ دیا ہے۔

کلیجہ تھام لو! روداد غم ہم کو سنانے دو
تمہیں دکھا ہوا دل، ہم دِکھاتے ہیں دِکھانے دو

الغرض: یہ ہیں وہ الم ناک حالات؛ جن سے آج شامی مسلمان دوچار ہیں: سڑکوں پر بے دریغ قتل عام، گلی کوچوں میں بہتا ہوا لہو، مظلوموں کی دل دوز آہیں، یتیموں اور بیواؤں کی چیخ و پکار، ملبوں میں دبے نہتے مسلمانوں کی ہچکیاں اور سسکیاں، اپنی آبرو بچانے کی خاطر جانوں کا نذرانہ پیش کرنے والی بے کس و بے بس مجبور دوشیزاؤں کی خودکشی۔۔۔ کیا یہ دل خراش مناظر ہماری آنکھوں کو اشکبار نہیں کرتے؟ ہمارے مردہ ضمیر کو کچوکے نہیں لگاتے؟ انہیں دیکھ کر دل خون کے آنسوں نہیں روتا؟ کہاں ہے اقوام متحدہ؟ کہاں ہے، مسلم ممالک پر مشتمل فلاحی ادارے؟ اور کہاں ہے امت مسلمہ کی ضخیم تعداد؟؟؟

جہاں فریاد بھی گوش نزاکت پر گراں گزرے
ہم ایسی بے کسی کی زندگی سے مہرباں گزرے
وطن سے بے کسی یوں لے کے نکلی ہے غریبوں کو
کہ جیسے کارواں کے بعد گرد کارواں گزرے

ذمہ دار کون؟

عالم اسلام کے ممالک کی تعداد پانچ درجن کے قریب ہے؛ جن میں سعودی عرب، قطر، عمان، کویت جیسے قدرتی اور مادی وسائل سے مالا مال ممالک شامل ہیں، خود عالم اسلام کی نمائندہ تنظیم ''او آئی سی'' اقوام متحدہ کے بعد دنیا کی سب سے بڑی نمائندہ تنظیم شمار کی جاتی ہے؛ مگر حیف صد حیف کہ تمام تر فوجی طاقت اور داخلی قوت کے باوجود اپنے شامی بھائی بہنوں کو چھٹکارا نہیں دلا سکے۔ اس طرح عرب لیگ سمیت علاقائی و عالمی سطح پر تمام مسلم ممالک بشار الاسد کے اس انسانیت کش جرم میں شریک ہیں جنھوں نے شام میں ہونے والے مظالم کی روک تھام کے لیے کوئی اقدام نہیں کیا اور خاموش تماشائی بنے رہے۔

حال ہی میں عالم عرب کی ایک معروف اور محبوب شخصیت علامہ ڈاکٹر یوسف القرضاوی نے اپنے ایک فتوے کے ذریعے عالم اسلام کو متوجہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس فتوے میں دنیا بھر کے معززین اور اہل اسلام سے شامی عوام کو ظلم سے نجات دلانے کی درخواست کی ہے۔ ڈاکٹر موصوف نے اس اندھی جارحیت، لٹتی عصمتوں، تباہ ہوتے مکانات اور اسلحے کے ناروا استعمال کے تناظر میں حق کی آواز بلند کرنے کی تلقین کی ہے۔ (بقیہ صفحہ: ۴۱ پر)

خبرنامہ

عالم اسلام کی خبریں

مولانا ابوالولید قاسمی*

ترکی کو شام اور عراق بننے نہیں دیں گے: طیب اردگان

انقرہ کے ایک ثقافتی مرکز میں جنگلات اور آبی امور کی وزارت کی افتتاحی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے ترکی صدر طیب اردگان نے کہا کہ فرات ڈھال کاروائی کے دائرہ کار میں داعش کے 200 دہشت گردوں کو ہلاک کر دیا گیا، الباب داعش کے خلاف جدوجہد معمولی نوعیت کی نہیں ہے، ہم ہمارے ملک کے لئے خطرہ تشکیل دینے والی تنظیموں کی کاروائیوں کا خاموش تماشا نہیں دیکھ سکتے، ہمیں جو قدم اٹھانا چاہیئے تھا وہ قدم اٹھایا ہے، ہم نے امریکہ روس، ایران، عراق اور خلیجی ممالک کے ساتھ سفارتی مذاکرات کے بعد ہی فوجی کاروائی شروع کی ہے، شام اور عراق میں جو کھیل کھیلا جارہا ہے ویسا ہی کھیل ہم ترکی میں کھیلنے کی اجازت نہیں دیں گے، پی کے کے، داعش اور فیتو خونریز کارروائیوں کو جاری رکھے ہوئے ہیں، ان حالات میں ہم اپنے وطن کی بقا کو ضمانت میں لینے پر مجبور ہیں، ان کے مطابق اس وقت دنیا اور اور ہمارے علاقہ کی نئے سرے سے تنظیم بندی کی کوششیں جاری ہیں، اس وقت اگر ہم نے جرأت مندی کا مظاہرہ نہ کیا تو پھر ہم پر سخت شرائط ٹھونس دیئے جائیں گے، ترکی جنگ سے نجات کے بعد پہلی بار اس قدر بڑی جدوجہد کررہا ہے۔ (روزنامہ اعتماد، ۲۴/ڈسمبر ۲۰۱۶ء)

مظلوم شامی بھائیوں کی دل کھول کر امداد کی جائے؛ شاہ سلمان کی سعودی عوام سے اپیل:

سعودی فرمانروا شاہ سلمان بن عبدالعزیز آل سعود نے شام کی مظلوم عوام کے ساتھ گہری ہمدردی اور یکجہتی کا اظہار کرتے ہوئے سعودی شہریوں سے اپیل کی ہے کہ وہ شامی بھائیوں کے لئے دل کھول کر امداد دیں، شاہ سلمان نے شام میں خانہ جنگی سے متاثرہ شہریوں کے لئے ۱۰/کروڑ ریال جمع کرنے کا ہدف مقرر کیا ہے، تاہم ملک میں ریلیف اور امدادی مہمات چلانے والے دوسرے ادارے بھی اس کارِ خیر میں پیش پیش ہیں، سعودی عرب میں جمع کی جانے والی امدادی رقم سے شام میں جنگ سے متاثرہ شہریوں کے لئے ادویات، خوراک اور دیگر بنیادی ضروریات جمع کی جائیں گی شامی عوام کے لئے شروع کی جانے والی امدادی مہم میں شاہ سلمان نے ۲۰/ملین ریال، ولی عہد شہزادہ محمد بن نائف بن عبدالعزیز نے ۱۰/ملین اور نائب ولی عہد شہزادہ محمد بن نائف بن عبدالعزیز سے کی جانب سے ۸/ملین ریال کی رقم کا عطیہ کرنے کا اعلان کیا ہے۔ (روزنامہ اعتماد، ۲۸/ڈسمبر ۲۰۱۶ء)

اسرائیلی اور مصری پابندیاں غزہ کے شہری عمرہ کی ادائیگی سے ہنوز محروم

غزہ میں حج وعمرہ ٹورآپریٹرس کی مشترکہ تنظیم کے صدر نشین عوض ابومذکورہ نے بتایا کہ غزہ پٹی پر اسرائیل اور مصر کی طرف سے عائد اقتصادی اور سفری پابندیوں کے نتیجہ میں جہاں مقامی فلسطینی شہریوں کو دیگر شعبوں میں مشکلات کا سامنا ہے، وہیں شہری عمرہ کی ادائیگی سے بھی مسلسل محروم ہیں، غزہ کے شہریوں کے عمرہ کا مسئلہ ہنوز حل طلب ہے اور ابھی تک اس سلسلہ میں کوئی مؤثر پیش رفت نہیں ہوسکی ہے اس سلسلہ میں مصری حکام سے بات چیت جاری ہے۔ (روزنامہ اعتماد، ۲۴/ڈسمبر ۲۰۱۶ء)

*استاذ شعبۂ عالمیت ادارہ ہذا